اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ وخط وکتابت
مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82
محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

انجم نیازی

نعت

تڑپنے میں لُطف اور آنے لگا ہے
چلو دل کہیں تو ٹھکانے لگا ہے
کہاں لے کے آپہنچا عشقِ محمد ﷺ
ہر اِک زخمِ دل مُسکرانے لگا ہے
بہت جی نے لوٹے مزے زندگی کے
حساب اس کا اَب یہ چکانے لگا ہے
زباں مل گئی اپنے سارے بدن کو
لہو کا ہر اِک قطرہ گانے لگا ہے
خبر ہی نہیں مجھ کو سود و زیاں کی
عجب اِک سکوں اَب کے آنے لگا ہے
تڑپتی ہیں جس کے لیے سب نگاہیں
خیالوں پہ وہ حُسن چھانے لگا ہے
خدایا تو اس شخص کی لاج رکھنا
کوئی ساری دنیا سے جانے لگا ہے
کہیں اس سے پہلے نہ مر جاؤں انجمؔ
مدینہ مرے پاس آنے لگا ہے

پیامِ صفدر حمزہ احسانی

استاذِ محترم مولانا رشید احمد رحمہ اللہ......و......برادرِ مکرم مولانا محمد رضوان رحمہ اللہ

استاذِ محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ [۱۹۵۳ء......۲۰۱۳ء]

استاذِ محترم حضرت مولانا رشید احمد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ نومبر ۲۰۰۶ء/شوال ۱۴۲۷ھ میں پہلی مرتبہ دار العلوم مدنیہ میں استاذِ محترم کی زیارت نصیب ہوئی، اس وقت بندہ درجہ ثالثہ میں تھا، استاذِ محترم غالباً خامسہ سے دورۂ حدیث تک کے درجات میں عربی ادب، تفسیر اور حدیث شریف کی کتب پڑھاتے تھے، دار العلوم کے اساتذہ، فضلاء، اور قدیم طلباء سے استاذِ محترم کی علمی لیاقت، قوتِ حافظہ، بذلہ سنجی اور عربی ادب سے خصوصی شغف کے متعلق سنتا رہا، گاہے بگاہے آپ کی صحبت میں بیٹھنے کی سعادت بھی ملتی رہی، کبھی دورانِ درس آپ کسی دوسری کلاس میں بھی چند منٹ کے لیے تشریف لے جایا کرتے اور طلباء کو مزاحیہ اشعار و لطائف سنا کر تازہ کر دیتے اور پھر اپنی درسگاہ میں تشریف لے جاتے۔ اس طرح ہماری درس گاہ میں بھی کئی بار تشریف لائے۔ عربی، اردو اور سرائیکی کے بے شمار اشعار آپ کو اَزبر تھے۔ ہمیں بہت اشتیاق تھا کہ کب آپ سے سبق پڑھنے کی سعادت نصیب ہوگی، لیکن یہ سعادت ہمارے مقدر میں نہیں تھی، اگلے ہی سال استاذِ محترم کی علالت کی بنا پر اُن کی کتب دیگر اساتذہ میں تقسیم کر دی گئیں، اور پھر استاذِ محترم واپس مدنیہ نہ آسکے۔ ویسے تو اکثر تشریف لاتے رہتے تھے، دار العلوم مدنیہ سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، مختلف درسگاہوں میں بھی چند منٹ کے لیے جا بیٹھتے اور طلباء سے دل لگی فرماتے، اسی دوران ہمارے محبوب اور بزرگ استاذ حضرت مولانا فیض محمد صاحب مدظلہم کی درخواست پر آپؒ نے ہمیں ''جلالین'' شریف کا ایک سبق بھی پڑھایا تھا، یوں ہم آپ کے براہِ راست شاگرد بن گئے، لیکن مستقل تدریس کے لیے کوئی ترتیب نہ بن سکی۔ کچھ عرصہ بعد ''جامعۃ الصابر'' کی قسمت چمک اٹھی اور آپ نے وہاں مسندِ حدیث کو رونق بخشی۔

دار العلوم مدنیہ کے مدیر استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم سے آپؒ کی بہت زیادہ بے تکلفی تھی، پہلی بار جب بندہ نے زیارت کی تھی تو اس وقت بھی دونوں بزرگ اکٹھے بیٹھے ناشتہ فرما رہے تھے۔ دار العلوم مدنیہ کی تدریس کے زمانہ میں جہاں تک بندہ نے دیکھا اکثر آپؒ اور حضرت مہتمم صاحب اکٹھے ناشتہ فرماتے، اور دونوں کے مابین خوب بے تکلفی سے گفتگو ہوتی، بعض اوقات استاذِ محترم رحمہ اللہ حضرت مہتمم صاحب کی عدم موجودگی میں اُن کے کمرے میں جا بیٹھتے، طلباء تو آپ کو دیکھتے ہی آپ

کے اردگرد جمع ہو جاتے تھے، کوئی دبانے لگتا، کوئی سر کی مالش کا کہتا، کوئی اشعار سنانے کا مطالبہ کرتا، آپؒ سر پر تیل لگواتے اور حضرت مہتمم صاحب کے کمرے سے تیل کی شیشی اٹھوا کر فرماتے: لگاؤ اور یہ شیشی خالی کر دو۔ مفتی صاحب بھی کیا یاد کریں گے!!!

اسی طرح بعض اوقات کسی بات پر حضرت مہتمم صاحب آپ سے خفا ہو جاتے تو اُن کو بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دیتے اور فرماتے جب تک راضی نہیں ہوں گے، کنڈی نہیں کھلے گی، مہتمم صاحب فوراً راضی ہو جاتے۔ ایک آدھ مرتبہ ایسا ہوا کہ صبح مدرسہ کے اسباق کا وقت شروع ہونے پر حضرت مہتمم صاحب نے مدرسہ کے باہر والے دروازے کو تالا لگوا دیا اور چابی اپنے پاس رکھ لی کہ اب تک جو طالب علم یا استاذ نہیں آیا وہ آج باہر ہی رہے، اتفاق سے استاذِ محترم رحمہ اللہ بھی اس دن غالباً پانچ منٹ تاخیر سے تشریف لائے، کافی دیر انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی، اگلے دن یا کچھ دن بعد آپ ایک کلاس میں سبق پڑھا رہے تھے، آپ کے متصل بعد حضرت مہتمم صاحب کا سبق تھا، وقت شروع ہونے پر آپ نے دیکھا کہ مہتمم صاحب ابھی تک نہیں آئے تو اندر سے کنڈی لگوا دی، حضرت مہتمم صاحب پورا گھنٹہ باہر انتظار فرماتے رہے، گھنٹہ ختم ہوا تو آپؒ نے کنڈی کھلوائی اور باہر نکل کر فرمایا: آج آپ کلاس میں کیوں لیٹ آئے تھے؟ الغرض اس طرح کی نوک جھونک اور بے تکلفی چلتی رہتی تھی۔

طبیعت میں انتہا درجہ کی سادگی تھی، سر پر دیہاتی طرز کا رومال، سادہ سا کرتا اور عام سا تہبند زیبِ تن ہوتا، اور اس بات کی کبھی پرواہ نہیں فرمائی کہ سر پر موجود رومال ٹیڑھا ہو گیا، یا ایک جانب سے کھل کر لٹک گیا، یا ڈھلک رہا ہے، آپ بس اسی حالت میں رہتے تھے۔ کئی بار بندہ نے خود آپ کو انتہائی تیز بارش میں پنڈلیوں تک پانی سے بھری گلیوں اور سڑک پر پیدل سفر کرتے دیکھا، اکثر پیدل ہی تشریف لے آتے تھے، کسی بھی قسم کا تکلف پسند نہیں فرماتے تھے، بے تکلفی سے رہتے اور بے تکلفی کو ہی پسند فرماتے تھے۔

تقویٰ وللّٰہیت کے بہت اونچے پہاڑ تھے، خوفِ خدا کوٹ کوٹ کر دل میں بھرا ہوا تھا، لیکن بذلہ سنجی اور ہنسی مزاح والی عادت میں اپنی ولایت کو چھپائے رکھا، استاذِ محترم حضرت مولانا فیض محمد صاحب مدظلہم جو عمر میں آپؒ سے بڑے ہیں، اکثر فرمایا کرتے تھے: یہ شخص اعلیٰ پایہ کا عالم اور بہت بڑا ولی ہے، صرف مذاق کی عادت میں اپنے آپ کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی، واقعۃً آپ کی مجلس میں بیٹھنے سے صرف ہنسی مزاح ہی نہیں ملتا تھا، بلکہ سبق آموز اور اصلاح وتربیت پر مشتمل حکایات اور اکابر کے ملفوظات بھی باحوالہ سننے کو بکثرت ملتے تھے۔

گزشتہ سے پیوستہ سال جب بندہ دورۂ حدیث میں تھا تو ایک روز فرمایا: اب (استاذِ محترم شیخ

الحدیث مولانا محمد حنیفؒ کی علالت کے بعد) مسلم شریف کون پڑھاتا ہے؟ (اس وقت استاذ شیخ الحدیثؒ حیات تھے، لیکن علالت وضعف کی بنا پر صرف بخاری شریف پڑھا رہے تھے۔) بندہ نے عرض کیا کہ: پہلے حضرت مفتی (مہتمم) صاحب مدظلہم نے خود پڑھائی، پھر مولانا صادق صاحب مدظلہم نے پڑھائی، اب مولانا عبدالصمد صاحب مدظلہم پڑھا رہے ہیں، فرمایا: انہوں نے مقدمے کی ابحاث لکھوائی ہیں؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: مسلم شریف میں مقدمے کی ابحاث ضرور لکھوانی چاہییں۔ تم ایسا کرو، کسی طالب علم سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہم کا لکھوایا ہوا دستہ لے لو، میں نے اپنی طالب علمانہ حجت کی کہ: مَیں نے ایک طالب علم سے مولانا محمد صادق صاحب مدظلہم کی لکھوائی ہوئی کاپی لے لی ہے، ویسے بھی اب کافی شروحات چھپ چکی ہیں، فیض المنعم، عمدۃ المفھم، فتح المسلم وغیرہ وغیرہ جو نام یاد تھے گننے شروع کیے تو نہایت شفقت و پیار سے مجھے ٹوکا اور فرمایا: مَیں مولانا حنیف صاحب کے لکھوائے ہوئے دستے کو اس لیے اہمیت دے رہا ہوں کہ: وہ شیخ کا لکھوایا ہوا ہے۔ یہ جملہ ''کہ وہ شیخ کا لکھوایا ہوا ہے۔'' اس عقیدت ومحبت سے فرمایا کہ میں دنگ رہ گیا، اور استاذ شیخ الحدیث صاحبؒ کی عظمت میرے دل میں مزید بڑھ گئی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہم عصر ہونے کے باوجود اُن کا اس قدر احترام......!!! آج کل شائد ہی کہیں دیکھنے کو ملے۔

نسبت کی وجہ سے بندہ ناچیز سے بہت محبت فرماتے تھے، جب کبھی حاضرِ خدمت ہوتا، یا قریب سے گزرتا دیکھ لیتے تو بلا لیتے، حال احوال لیتے، دعائیں فرماتے اور کچھ نقد رقم بھی عنایت فرماتے۔ ایک مرتبہ کافی دن حاضر خدمت نہ ہوا، آپ علالت کی بنا پر مدرسہ تشریف نہ لا سکے تو ایک ساتھی کو کہہ کر مجھے گھر بلوایا، اور حال احوال پوچھا، پھر حسب عادت نقد رقم بھی عنایت فرمائی۔ آخر میں دو تین مرتبہ عیادت اور بیمار پُرسی کے لیے گھر حاضری ہوئی، طبیعت خاصی ناساز تھی، لیکن ہوش وحواس درست تھے اور حافظہ ٹھیک ٹھاک۔ پھر شعبان المعظم سے قبل استاذِ محترم شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم نے مجلّہ ''المصطفیٰ'' کے ''خاص نمبر'' کے کچھ کام کی ذمہ داری بندہ کو سونپی تو اساتذۂ جامعہ کے احوال جمع کرنا بندہ کے ذمہ ٹھہرا، سوال نامہ پر مشتمل ایک فارم تیار کر کے جملہ اساتذۂ کرام کی خدمت میں پیش کیا گیا، مؤرخہ ۹/ مئی ۲۰۱۳ء کو آپؒ کی خدمت میں بندہ خود حاضر ہوا اور آپؒ سے بہانے بہانے سے مختلف سوال کرتا اور نظر بچا کر لکھتا رہا، جسے بعد میں خود ہی کمپوز بھی کر لیا، قارئین کی معلومات کے لیے بعینہٖ پیش خدمت ہے۔

''مولانا رشید احمد مدظلہم بن حافظ محمد صدیق مرحوم تقریباً ۱۹۵۳ء کو جلال پور پیروالہ ضلع ملتان میں پیدا ہوئے، اپنے والد مکرم کے پاس قرآن پاک حفظ کیا۔ اور جلال پور ہی کے ایک مدرسہ نقشبندیہ میں قاری یعقوب صاحب کے پاس بھی کچھ پڑھا۔

مہند شریف میں صَرف (اولیٰ) پڑھی، بقیہ کتب (ثانیہ تا مشکوٰۃ) بمع تکمیل طاہر والی میں پڑھیں۔۱۹۷۲ء میں خیر المدارس ملتان میں دورۂ حدیث کیا۔ دورانِ تعلیم ہی تجوید بھی پڑھی، شجاع آباد میں حضرت بہلوی کے پاس دورۂ تفسیر بھی کیا اور کچھ اور کتب بھی پڑھیں۔ آپ کے ممتاز اساتذہ میں حضرت مولانا حبیب اللہ گمانویؒ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ، حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ، حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ، حضرت مولانا دوست محمد غوث پوریؒ، حضرت مولانا اللہ بخشؒ، حضرت مولانا محمد امیر تونسویؒ، حضرت مولانا نذیر احمدؒ [بانی: جامعہ امدادیہ، فیصل آباد] اور حضرت مولانا عبدالحمید بہلویؒ [جو حضرت درخواستیؒ کے فرزند نسبتی اور مولانا عزیز احمد بہلویؒ کے سسر تھے۔] شامل ہیں۔ اور ہم کلاس احباب میں مولانا عبدالرحمٰن [شیخ الحدیث: جامعۃ الصابر]، مولانا عبدالخالق راجن پور، ڈھڈیاں کے مولانا عنایت اللہ اور مولانا شفیق شامل ہیں۔

فراغت کے بعد تقریباً چھ (۶) سال مدرسہ رحمانیہ جلال پور پیروالہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے، ۱۹۷۸ء کے لگ بھگ دارالعلوم مدنیہ بہاول پور تشریف لے آئے اور ۲۰۰۷ء تک مسلسل تیس (۳۰) سال دارالعلوم میں مختلف درجات کی کتب پڑھاتے رہے۔ دورۂ حدیث کے اسباق میں سے طحاوی، سننین و موطین اور شمائل آپ کے زیرِ درس رہیں، اسی طرح جلالین شریف، تفسیر اور عربی ادب کے جملہ اسباق آپ ہی کے زیرِ درس رہے۔ ۲۰۱۰ء سے تا حال ''جامعۃ الصابر، بہاول پور'' میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اور وہاں بھی سننین و موطین وغیرہ آپ کے زیرِ درس ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۷۸ء سے ۲۰۱۳ء کے اوائل تک بہاول پور کی عظیم تاریخی مسجد ''جامع مسجد الصادق'' میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ تجوید سے آپ کو خاص شغف ہے، پہلے جامعہ رحمانیہ جلال پور پیروالہ میں اور پھر دارالعلوم مدنیہ میں ایک عرصہ تک تجوید کا سبق آپ کے پاس رہا۔ حتیٰ کو دارالعلوم کے موجودہ مہتمم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم نے آپ سے بڑے اور مقدم ہونے کے باوجود کمالِ انکساری سے آپ سے تجوید میں استفادہ کیا۔

آپ کے معروف تلامذہ میں دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور کے موجودہ اساتذۂ حدیث مولانا محمد صادق جماپوری، مولانا محمد رشید حیات پوری، مولانا علی اصغر شاہ، مولانا عبدالصمد اور دارالعلوم کے دیگر فضلاء مولانا خضر حیات میلسوی وغیرہم شامل ہیں۔

حضرت گمانوی رحمہ اللہ ''رائے پوری'' سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، آپ نے پہلے اُن سے اصلاحی تعلق رکھا، بعد ازاں حضرت بہلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عقائد کے بارے میں آپ ''المہند علی المفند'' پر

اعتماد کا اظہار فرماتے ہیں۔فتنوں کے بارے میں آپ کا فرمان ہے کہ: ''فتنہ فتنہ ہوتا ہے، چاہے جو بھی ہو، حضرت لاہوریؒ کے بارے میں سنا ہے کہ وہ مودودیت کو بہت خطرناک فتنہ سمجھتے تھے۔''

دو مرتبہ حرمین شریفین حاضری کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، ۱۹۸۵ء میں حج کے لیے اور ۱۹۹۵ء میں عمرہ کے لیے۔تلامذہ و متعلقین کے لیے آپ سے نصیحت کا پوچھا گیا تو فرمایا:

''نصیحت کا معنی ہے خیر خواہی، الدین النصیحة ، دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔علماء لکھتے ہیں کہ انسان کی ہدایت کے لیے دو چیزیں ہیں، ایک کتاب اللہ کی شکل میں اور دوسری رجال اللہ کی شکل میں، یعنی وہ مردانِ کامل جن کی نظر کیمیا ہوتی ہے۔ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے صحیح معنوں میں قرآن وحدیث سے فائدہ اٹھایا جائے۔''

یہ غالباً بندہ کی آپ سے آخری ملاقات تھی، اس سے سات یا آٹھ دن بعد بندہ بہاول پور سے چلا آیا۔اب چند دن قبل استاذِ محترم، محسن معظم حضرت مولانا صہیب احمد صاحب مدظلہم نے آپؒ کی علالت میں شدت کی خبر دی تو دل مضطرب ہو گیا، پھر چند دن بعد بندہ کے استفسار پر قدرے افاقہ کا بھی بتایا تو دل مطمئن ہو گیا۔۷/ستمبر ۲۰۱۳ء بمطابق ۳۰/شوال بروز ہفتہ کو صبح ساڑھے دس (10:30) بجے وفات ہوئی، اور اڑھائی (2:30) بجے بہاول پور میں جنازہ پڑھا گیا، بعد ازاں آپ کے آبائی علاقہ جلال پور میں بھی جنازہ ہوا۔مَیں بدقسمت اس دن بہاول پور سے سیکڑوں میل دور ''شہداء کے دیس'' (کراچی) میں بیٹھا تھا، بدقسمتی اور بے بسی کی انتہاء کہ: اپنے محبوب و محسن استاذ کے جنازے کو کندھا دینے کی سعادت سے بھی محروم رہا۔اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے فیوضات و برکات سے محروم نہ فرمائے۔اُن کی کامل مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام نصیب فرمائے۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

نوجوان عالم دین کا انتقالِ پُر ملال [۱۹۹۰ء......۲۰۱۳ء]

نومبر ۲۰۰۶ء/شوال ۱۴۲۸ھ میں جب بندہ درجہ ثالثہ میں داخلہ کے لیے ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' حاضر ہوا تو استاذِ محترم نے ثالثہ کے ہی ایک دبلے پتلے، قدرے لمبے قد کے، چشمے والے ساتھی کو میرے ساتھ بھیجا کہ اس کے ساتھ اوپر کتب خانے میں جاؤ، داخلہ فارم دلوا دو، وہ ساتھی مجھے لے کر چلے تو ادب و احترام سے بچھے جا رہے تھے، حتیٰ کہ سیڑھیاں چڑھتے وقت بھی ایک جانب ہو کر پشت دیوار کی جانب کیے چل رہے تھے کہ راقم کو پیٹھ نہ ہو، یہ یقیناً بندہ کی نسبت کا ادب تھا، جو وہ ہمیشہ کرتے رہے۔داخلہ کی کارروائی کے بعد کلاس میں حاضری ہوئی، وہی ساتھی تکراری بھی بنے۔داخلے کو ایک دو روز ہی گزرے تھے کہ: ایک رات تکرار کے دوران بندہ کافیہ کی عبارت پڑھ رہا تھا، ایک مقام پر انہوں نے کسی لفظ کی وجہِ اعراب پوچھی جو

بندہ نہ بتا سکا، تو کہنے لگے: یہاں (دارالعلوم مدنیہ) آئے ہو، یہاں تو یہ بتانا پڑے گا۔ بندہ نے انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اسی لیے تو یہاں آیا ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا نام محمد رضوان ہے، ماشاء اللہ خوب محنتی، ذہین اور ذی استعداد تھے، خاص طور پر نحو سے خوب شغف تھا، اُن کے اسی نحوی شوق وذوق کو دیکھتے ہوئے ہم کلاس احباب نے اُن کو ''اخفش'' پکارنا شروع کر دیا تھا، جو بعد میں اُن کی پہچان بن گیا تھا۔ اسی کلاس میں ہمارے ایک اور ساتھی بھائی رضوان اللہ بھی تھے، اُن کو سب ''رضوان'' کہتے اور اول الذکر کو ''اخفش'' کہہ کر پکارتے یا پھر ''رضوان اخفش''۔ یوں وہ اپنی کلاس میں اسی نام سے معروف ہوئے۔

کلاس میں کبھی کسی نحوی یا صرفی مسئلہ پر طلباء کا آپس میں اختلاف یا نوک جھونک ہوتی تو برادرم مولانا محمد بلال قاضی اور مولانا رضوان اخفشؒ پیش پیش ہوتے تھے، کبھی ان کے ساتھ برادرِ عزیز مولانا ارشاد بھی شریک ہو جاتے تھے۔ الغرض رضوان بھائی ذہین، محنتی اور باذوق ساتھی تھے، اُن کے ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نحو کی مشہور کتاب ''شرح جامی'' کا مقدمہ جو ''وفاق'' کے نصاب میں نہیں، اُنہوں نے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد رشید مدظلہم [استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور] سے تعطیلات میں پڑھا۔

گزشتہ ماہ گجرات اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اپنے ہم کلاس مولانا غلام اکبر کا موبائل پیغام موصول ہوا کہ:

''مولانا محمد رضوان صاحب اپنے ساتھی، دریا میں ڈوب کر انتقال فرما گئے ہیں۔''

بے ساختہ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔ اور ذہن کی سکرین پر ماضی کی یادیں اُبھرنے لگیں۔ موصوف بچپن میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل نہ کر سکے تھے، لیکن شوق اور ذوق نے چین سے نہ بیٹھنے دیا اور سالانہ تعطیلات میں تھوڑا تھوڑا یاد کرتے رہے، حتیٰ کہ قرآن پاک مکمل یاد کر لیا۔ کمال ہے اور آج کل کے زمانہ میں حد درجہ حیران کن بھی، کہ سال بھر پوری محنت وشوق کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے اور سالانہ تعطیلات میں پوری لگن اور تڑپ کے ساتھ قرآن پاک یاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے، سیأت سے درگزر فرمائے۔ موصوف سے مستقبل میں بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں۔

ثالثہ کے بعد موصوف نے کراچی کا رُخ کیا، رابعہ ''جامعہ فاروقیہ، کراچی'' میں اور پھر خامسہ تا دورۂ حدیث شریف کے سال ''جامعہ دارالعلوم، کراچی'' میں گزارے اور وفاق کے امتحان میں ممتاز کی تقدیر میں کامیابی پائی۔ پھر دارالعلوم میں ہی ''تخصص فی الافتاء'' میں داخلہ لیا اور ایک سال پڑھا۔ سالانہ تعطیلات میں گھر آئے، رمضان گھر ہی گزارا، عید کے چند روز بعد واپسی کا ارادہ تھا، جمعہ یا ہفتہ کی ٹکٹ بھی لے چکے تھے، جمعرات کے دن اپنے چند عزیزوں کے ہمراہ دریائے ستلج پر نہانے گئے، اچانک پاؤں پھسلا اور پانی کی

طوفانی موجوں اور بھنور نے اپنے حصار میں لے لیا، باوجود کوشش کے اُن سے چھٹکارا نہ پا سکے، موقع پر موجود ''ریسکیو'' کے غوطہ خوروں نے فوری طور پر تلاش شروع کی اور زندہ حالت میں نکال لیا گیا، فوراً ہسپتال لے جایا گیا، لیکن وقتِ اجل آپہنچا تھا۔ چنانچہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة.

بندہ اسی روز گجرات سے روانہ ہو کر صبح ۷ بجے بہاول پور پہنچا، جنازہ تو رات ساڑھے نو بجے ہی ہو چکا تھا، اس لیے اس میں تو شرکت سے محروم رہا، البتہ دوسرے دن بروز جمعۃ المبارک نمازِ جمعہ کے بعد اُن کے گھر حاضر ہو کر اُن کے والد مکرم جناب حاجی محمد یوسف صاحب، برادران برادرِ مکرم مولانا عمران صاحب، برادرِ عزیز محمد حمزہ سلمہ اور بہنوئی مولانا محمود تمیمی صاحب مدظلہم (بن استاذِ محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم، [مدیر: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور]) سے تعزیت کی۔

نیک، صالح اور نوجوان عالم دین کی وفات کے اس المناک سانحہ پر استاذِ محترم، ولی کامل شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہم، اساتذہ دارالعلوم مدنیہ، جامعہ فاروقیہ و دارالعلوم کراچی بھی لائق تعزیت ہیں، بندہ ناچیز اپنی اور مجلّہ صفدر کی جملہ انتظامیہ کی طرف سے سب سے تعزیت مسنونہ عرض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے بال بال کی کامل مغفرت فرمائے، حسنات قبول و منظور فرمائے اور لغزشات سے درگزر فرما کر جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ آمین

دیگر وفیات

☆......مولانا مفتی رشید احمد حقانی مدظلہم کے چچازاد بھائی، مولانا نور محمد [کوئٹہ] کے چھوٹے فرزند محمد اسماعیل بھی شہید ہو گئے ہیں۔

☆......فخرِ اہلِ سنت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ کے بھتیجے، محترم جناب ڈاکٹر عبدالباسط صاحب کے بھائی جناب شاہین صاحب بھی رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

☆......قارئینِ مجلّہ ''صفدر'' سے جملہ شہداء اور فوت شدگان کے لیے مغفرت کاملہ اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی رحمہ اللہ
مرسلہ: ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

مفسرینِ کرام رحمہم اللہ ......اور......ہمارے دور کی غیر مقلدیت

(......قسط ۲......آخری قسط......)

تنبیہ

قرآن مجید کی خدمت کرنے والے قراء حضرات میں سے ماسواء ایک دو قاریوں کے جو مکی اور مدنی کہلاتے ہیں، سب کے سب دوسرے حلقوں کے ہیں کوفہ۔ بصرہ۔ بغداد اور شام کے رہنے والے ہیں۔ کتب تاریخ کو دیکھا جائے اور خدامِ قرآن لوگوں کے تراجم پڑھے جائیں تو یہ تمام ائمہ قرأت اور استاذِ علمِ تجوید کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں، کچھ شافعی، کچھ مالکی اور کچھ حنبلی و حنفی ہیں۔ منکر تقلید یا مخالف ائمہ فقہاء ایک بھی نہیں ہے۔ **فللّٰہ الحمد والمنّة علی أن جعلنا متوسلین بائمة التقلید اللهم ارحم الائمة والمقلدین واهد غیر المقلدین الذین یبغضون اهل التقلید ویسبون ائمة الهدی.**

علم حدیث

علمِ حدیث میں ہزاروں کتب مع شروحات کے موجود ہیں۔ جن کے مصنف ائمہ دین ہیں۔ مثلاً امام مالکؒ، امام محمدؒ، امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کی خدمت بھی فرمائی اور فقہ بھی مرتب فرمائی۔ فقہ مالکی، فقہ حنفی، فقہ حنبلی اور فقہ شافعی دنیا میں نہ صرف یہ کہ مطبوع و موجود ہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں، علماء و صلحاء، محدثین اور فقہاء ائمہ مذکورین کے مقلدان کی فقہ پر عمل کر رہے ہیں۔

چراغ را کہ ایزد برفروزد!
اگر کس تف زند ریشش بسوزد!

......☆......

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہر گز نمیرد

اسی طرح ان کے مقلدین حضرات جیسے امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ اور صاحب المشکوٰۃ وغیرہم نے متون حدیث لکھ کر امت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عظیم احسان فرمایا اور سینکڑوں علماء فقہاء ایسے ہیں

جنہوں نے بخاری، مسلم وغیرہما کی بہت بڑی لمبی شرحیں تصنیف فرمائیں۔ جیسے فتح الباری شرح بخاری۔ عینی شرح بخاری۔ برصغیر میں فتح الملہم شرح مسلم، عرف شذی، الکوکب الدری شرح ترمذی، بذل المجہود شرح ابوداؤد نیز بے شمار شروحات ہیں جن سے دنیا کے کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔ اور اپنے مصنفین کی صالح یادگار ہیں۔

تحدیثِ نعمت

قرآن مجید کی خدمت اور حدیثِ نبوی کی اشاعت کی سعادت بصورت تصنیف وتالیف ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے شوافع علماء کو زیادہ سے زیادہ نصیب ہوئی۔ سارا و پورا ذخیرۂ حدیث لکھا اور پڑھا۔ نماز میں رفع یدین بھی کیا، آمین بالجہر بھی کہی، امام کے پیچھے فاتحہ بھی پڑھتے تھے، حتی کہ اپنی فقہ بھی علیحدہ مرتب کر ڈالی مگر حدیث نعمت کی بات ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کا انکار نہ کیا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کی تقلید میں رفع یدین کیا، آمین بالجہر کہی اور فاتحہ خلف الامام بھی پڑھی مگر حیرت یہ ہے کہ غیر مقلد اپنے آپ کو نہیں کہلایا اور نہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے والوں کی نمازوں کو باطل کہا۔

کتبِ فتاوی

ضروری دینی مسائل میں پہلی کتابِ فتاویٰ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی جو ''کتاب الخراج'' کے نام سے مشہور ہے۔ ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ دنیا میں کئی ماؤں کے سپوت آئے جو کارہائے نمایاں انجام دے گئے۔ امام غزالی، فخر الدین، ابن تیمیہ، رومی وعطاء رحمہم اللہ اور بے نقط کتابیں لکھنے والے مصنف ومتکلف بھی میدانِ عمل میں اُترے مگر ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ ارشد ابو یوسف کی ''کتاب الخراج'' کو خراج عقیدت ہی پیش کرتے رہے۔

ہر گز نہ میرد آنکس کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

امام ابن تیمیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ جو علم وتقویٰ، تحقیق اور افتاء میں اپنی مثال آپ ہیں، اُس مجاہد اعظم و محدث کبیر کے نام سے فتاویٰ ابن تیمیہ موجود ہے جو تقریباً چالیس مجلدات پر مشتمل کتاب ہے۔ امام صاحب اپنے وقت کے باطل شکن، محدث، مجتہد اور مجاہد آیۃ من آیات اللہ تھے۔ سب کچھ تھے مگر حنبلی المسلک، حضرت امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے غیر مقلد نہیں تھے۔ علاوہ ازیں فتاویٰ ''تاتارخانیہ''، ''فتاوی بزازیہ''، ''قاضی خان''، ''البحر الرائق'' اور ''عالمگیری'' جیسی کتابیں امت محمدیہ کی راہبری کے لیے موجود ہیں۔ ان خدا کے

نیک بندوں نے کافی سے زیادہ علمی وفقہی ذخائر جمع کئے۔ضروریاتِ زندگی کا کوئی شعبہ تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا اور اُمتِ مسلمہ کومحتاج دلائل نہیں رکھا۔ یہ علم وفقہ کے رجالِ اسلام کے فلاسفر اور دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے جبالِ شاہق سب کے سب ائمہ دین کی تقلید کرتے تھے۔غیر مقلد ہونے کی اصطلاح سے بھی واقف نہیں تھے۔

مذاہبِ باطلہ کی تردیدودفاع

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں سینکڑوں فتنے رونما ہوئے اور درجنوں مسلک معرضِ وجود میں آئے۔رفض وخروج کی وباءتو صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے سامنے پھیل چکی تھی۔ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات کو چند در چند کر دیا تھا۔فتنۂ خروج کوختم کرنے کے لئے ''ذوالفقارِ علیؓ'' نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیےاور ہزاروں گردنوں کوگاجر مولی کی طرح کاٹا مگراس فتنے کی جڑیں زیرِزمین تھیں کہ بالآخرآپ نے ایک خارجی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا۔فرقہ معتزلہ، جبریہ،قدریہ، مرجیئہ، تشبیہی، تعطیلی،عنادیہ وعندیہ اورملحدین نے خوب خرمستیاں دکھائیں۔اہلِ حق سے دست بگریبان ہوئے اور توحیدوسنت کے آبِ زُلال کوگدلاکرنے کی سرتوڑکوشش کی اور راہ روانِ صراطِ مستقیم کو بھٹکانے کے لئے انتھک محنت کی حتیٰ کہ عامۃ المسلمین کو بہت بڑی پریشانی کا سامنا آیا۔مگراللہ رب العالمین وارحم الراحمین نے ان تمام خرابیوں کا علاج ائمہ دین کے مقلدین علماء کو ہی بنایا کہ انہوں نے باطل کے ہردام کوتوڑااور ہر فریب کاروعیار کودنداں شکن جواب دیا،حتیٰ کہ دینِ حق اورسنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چمکتے چاند کو بے دینی کے بادلوں سے بےنقاب کردیا۔اہلسنت والجماعت کی بنیادرکھی اورالصراط المستقیم کے راہگیروں کے لیے راستہ صاف کردیاحتیٰ کہ آج کا مسافر، عقبیٰ کا راہی، اسلام کی جرنیلی سڑک پرائمہ دین کے کھڑے کئے ہوئے سنگ میلوں کو دیکھتا ہوا بےکھٹکے رواں دواں چل سکتا ہے۔دنیا کا کوئی فتنہ اس کے دامنِ عافیت کو گردآلودنہیں کرسکتا۔ یہ ساری محنت وکاوش آئمہ دین اوران کے شاگردوں نے کی ہے کہ اس وقت کا کوئی شیطان اوردجال سیرت انسان اپنے دلائل سے کسی صاحبِ ایمان کوگمراہ نہیں کرسکتا۔

خلاصۂ بحث

بات ذراطویل ہوگئی کہنا اتنا تھا کہ دورحاضر کے غیر مقلد جوتقلیدآئمہ کوشرک فی النبوت اور فاتحہ خلف الامام کوجزوِایمان قراردیتے ہیں بلکہ اپنے سواتمام اہلِ فقہ وتقلید کو''الصراط المستقیم'' سے بھٹکا ہوا کہتے ہیں۔اگران لوگوں کوغیرمقلدرہنے کاشوق تھااورفاتحہ خلف الامام ضرور پڑھنی تھی تو بےشک پڑھتے کون ان کو مجبورکرتا ہےاورکون تقلیدِائمہ کومدارِکفروایمان بناتا ہے؟مگرتھوڑااسااغیارِاسلام کاخیال بھی فرماتے۔بالفرض

کوئی بے دین اگر اسلام پر آنے کی کوشش کرتا ہے تو آپ کے خیر القرون مشہود لہا بالخیر ہیں، نہ صحابہ کا دامن صاف ہے اور نہ ائمہ دین کا۔ جو تابعین و تبع تابعین ہیں۔ ایک طبقہ صحابہ کو منافق و غاصب کہتا ہے اور دوسرا طبقہ اُن کے شاگردوں کو شرک فی النبوۃ کا مرتکب بتاتا ہے۔ اس طرح خیر القرون کی خیر تو نہ رہی بلکہ اس کو خیر باد ہوگئی ہے۔

؎ اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو!

اگر غیر مقلدیت کے پیچھے کوئی لمبی اور گہری سوچ نہیں تو تقلید ائمہ کے خلاف اتنا تشدد کیوں ہے؟ اور فاتحہ خلف الامام کی اتنا اہمیت کہ اکثر امت کو بے نماز جہنمی بتایا جا رہا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ امام کے پیچھے کیوں فاتحہ نہیں پڑھتے؟ کیا اس فتوے کی زد میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، ابن اکیمۃ اللیثی، عمران ابن حصین، امام زُہری، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ (رضی اللہ عنہم ورحمھم اللہ تعالیٰ) صحابہ اور تابعین نہیں آئیں گے؟ اور بقول امام ترمذی اصحابِ حدیث جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے وہ بھی غیر مقلدین کے فتویٰ کی زد میں آ جائیں گے۔ یہ اچھا مذہب ہے کہ نہ صحابۂ رسول کو بخشا ہے اور نہ ائمہ دین و محدثین کو چھوڑتا ہے۔ چند فقہی و فروعی مسائل کو ناپسند کرنے کی وجہ نے غیر مقلدین کا مزاج اتنا گرم کیوں کر دیا ہے کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ چلنے والا تقلید ائمہ دین کا مسئلہ تھوڑے آدمی عرصے میں ختم کرنے لگ گئے؟

؎ ایں خیال است ومحال است وجنوں

وہ مسلک جو عالم اسلام میں ہندوستان کے چند صوبوں تک محدود مروج ہے۔ کیا وہ مسلمانوں کی اتنا بڑی اکثریت کو کھا جائے گا؟ حدیث پاک میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام امتوں کے مجموعہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ اجابت کی نفری زیادہ ہوگی۔ اب بقول غیر مقلدین وہابیوں کے اگر فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے والے تارک صلوٰۃ ہو کر مر رہے ہیں تو یہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ رہی خدا کی وسیع وطویل جنت، تو وہ ان وہابیوں کو دے دی جائے گی اور جنت میں جب یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا نبی ُرحمت وخاتم المرسلین کی امت بس اتنا ہے؟ تو غیر مقلدین یہی جواب دیں گے کہ امت خاتم الانبیاء کو تقلید ائمہ فقہاء اور امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنا دوزخ میں لے گئے۔ نہ قرآن پاک کی تفسیروں نے کام دیا اور نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے ان کو نجات ملی، ملتِ محمدیہ کی خدمت کا تمام اثاثہ تقلید ائمہ اور امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے سے رائیگاں ہوگیا اور بہت سے صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کی

لپیٹ میں آ گئے وہ بھی فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھتے تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال تک سب مسلمان ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور امام شافعیؒ کی تقلید میں رہے اور یہ تقلید اگر بقول غیر مقلدین کے شرک فی النبوۃ تھی تو امت محمدیہ میں کوئی مُصلح، ہادی، مزکی اور مجدد کیوں کھڑا نہ ہوا کہ وہ تجدیدِ دین و اصلاحِ عقائد کر دیتا اور کروڑوں تقلید کی گمراہی میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلا دیتا۔ جبکہ ہر دور کے باطل کا علاج علماءِ حق ہی بنتے چلے آئے ہیں۔ مسئلہ تقلید کو جو بہت خطرناک عقیدہ تھا اتنا مہلت کیوں دی گئی کہ جب انگریز ہندوستان میں آئے تب یہ مسئلہ کہ ''تقلید'' شرک فی النبوت ہے۔ اور امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جزو ایمان ہے ظاہر کیا گیا؟ حالانکہ یہ وقت تو مسلمانوں کے اتحاد کا تھا نہ کہ حنفیت کی پشت میں کیل ٹھوکنے کا۔ کیونکہ انگریز نے جہاں توحید کے خلاف مزارات پر خانقاہی نظام کو تقویت بخشی وہاں خاتم الانبیاء کی ختم نبوت کی عمارت میں دراڑیں پیدا کرنے کے لیے غلام احمد قادیانی کو استوار کیا۔ اِدھر اہل علماء خانوادۂ امام ولی اللہ کے توحیدی نظریات اور تعلیم کو بے اثر کرنے کے لئے کچھ علماءِ سوء کو اپنا لیا اور اپنا ہم نوا بنا لیا گیا۔ نیز انگریزوں کا ہدف یہی تھا کہ مغل سلاطین کی مذہبی روایات خصوصاً مرد درویش اور سلطان صالح حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی اسلامی خدمات کو سبوتاژ بنایا جائے یعنی فقہ حنفی وفتاویٰ عالمگیری دونوں بے وزن ہو جائیں، تو اب سوال مذکور کے جواب میں یہ کہنا کہ اس وقت ائمہ کرام کی تقلید کا انکار کرنا اور فقہ حنفی کے خلاف آسمان کو سر پر اٹھا لینا منشاءِ فرنگی کی تکمیل ہے، جو یہ چاہتا تھا کہ نہ مسلمانوں کا عقیدۂ توحید وسنت مضبوط ہو، نہ نظریۂ ختم نبوت اور نہ ان میں اسلاف کی تقلید باقی رہے۔ شتر بے مہار معاشرہ، تقلید کرے تو میری، نقل اتارے تو ہماری! نظر انصاف سے دیکھیں کہ اس بے وقت راگ الاپنے سے فائدہ ہوا تو کس کا اور نقصانِ ملت ہوا تو کتنا؟ انگریز واپس ہو گیا، مسلمان ایک دوسرے کی نمازیں اور ایمان خراب کر رہے ہیں۔ ہاتھ ناف کے اوپر ہوں یا سینے کے نیچے؟ آمین کڑاکے کی ہو یا آہستہ؟ اَسلافِ اُمت، ائمہ اور فقہ پر اعتماد کرنا شرک فی النبوت ہے یا ایمان؟ حنفی کہتا ہے تمہیں یہ سزا ملی کہ تم پیشاب کی بہن منی کو پاک کہتے ہو، غیر مقلد کہتا ہے کہ تم یتیمِ حدیث مولوی ابوحنیفہ کو امامِ فقہ مانتے ہو، حنفی کہتا ہے کہ تم بے ادب گستاخ ہو، غیر مقلد کہتا ہے کہ تم مشرک فی النبوت ہو۔ ''حنفی'' کا لقب تو بدعت ٹھہرا مگر سلفی، اہلحدیث، روپڑی، غزنوی، محمدی اور غرباء یہ سارے القاب مسنون کہاں سے آ گئے؟

عزیزانِ وطن! اسلام میں اتنا تنگ صدری و تنگ نظری قطعاً رَوا نہیں ہے۔ نہ ائمہ دین کی تقلید شرک ہے اور نہ تقلید سے باہر رہنا کفر ہے۔

فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

''تم اگر نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو''۔

یہ ارشادِ خداوندی ہے جس میں اہل علم پر اعتماد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ.

تم میرے طریقہ پر چلنا اور میرے جانشینوں (خلفاءِ راشدینؓ) کے طریقے کو اختیار کرنا۔

صحابہ کی تقلید کا حکم پیغمبر خدا نے خود ہی دیا ہے۔ حالانکہ وہ تقلید بھی علماء اور ائمہ دین کی تقلید ہے، یعنی صحابہ کرام کی تقلید جو نبی نہیں ہیں بلکہ صحابہ رسول وائمہ ہدیٰ ہیں۔

شرح صدری کی درخواست

میں یہ سمجھتا ہوں کہ لفظ تقلید جب سامنے آتا ہے تو شاید شرک فی النبوۃ کا تصور بھی ساتھ ہی آجاتا ہے، مگر میں غیر مقلد حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ خلفاء راشدین کی خلافت بھی اجتہادی ہے وہ کسی ایسی صریح عبارت سے بالترتیب ثابت نہیں جو ہر شخص کے لیے واجب العمل اور فرضِ عین ہوتی ورنہ یہ مسئلہ شوریٰ میں نہ جاتا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عقیدۂ توحید وختمِ نبوت پر تو مشورہ کبھی نہیں ہوا۔ صحابہ کرام مسند نبوت پر بیٹھ کر اجتہاد کرتے تھے اور اس دور کے لوگ ان مسائل وفتاویٰ میں ان کی تقلید کرتے تھے۔ صحابہ کے اجتہاد کا انکار کوئی بے عقل، غبی یا ضدی فنکار ہی کرسکتا ہے۔ تقلید کا معنی سوائے اس کے اور کیا ہے کہ ایک صاحبِ علم وتقویٰ کی سوچ جو قرآن وحدیث سے ٹکراؤ نہیں لیتی، مان لی جائے اور اس کو اپنا معمول زندگی بنالیا جائے۔

کچھ وقت بعد کسی دوسرے اہلِ علم وتقویٰ کا اجتہادی فتویٰ زیادہ قریب ومفید نظر آگیا تو اسے اپنا لائحہ عمل بنالینا، یہ حرام نہیں ہے۔ اجتہاد میں آخری فیصلے کا سٹوفکیٹ کسی مجتہد کے پاس نہیں ہوتا اور نہ صاحب ِتقلید پر اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ صحابہ کے اجتہاد وفتویٰ کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام بھی تو عالم ہی تھے۔ صاحب شریعت نبی تو نہیں تھے۔ صحابی کی تقلید جائز اور تابعی مجتہد اور امام کی تقلید شرک فی النبوۃ کس طرح بن گئی؟

مجتہد کا فتوی واجب التعمیل نہیں ہوتا جبکہ نبی ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم واجب الاذعان و واجب الایمان ہوتا ہے۔ سینکڑوں فتاویٰ ایسے ہیں جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے شاگرد صاحبین کی تقلید کی گئی۔ خود امام صاحب نے اپنے شاگردوں کے فتوؤں کی طرف رجوع فرمایا اور ان کی تصویب وتائید فرمائی۔ اجتہادی مسائل میں کسی کی بات پر عمل کر لینے کا نام تقلید ہے۔ غیر مقلدین حضرات

کو اس بات سے ہراساں نہیں ہونا چاہیے آخر اُن کے اپنے غیر مقلد عوام بھی اپنے علماء کے فتوؤں پر ہی اعتماد کرتے ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَاھُمُ اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ.

''وہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں آپ ان کی تقلید و اقتداء کریں''

البتہ تقلید دو قسم ہے ایک تقلید جو منصوص مسائل میں ہوتی ہے۔ جیسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور دوسری تقلید مجتہد فیہ مسائل میں جیسے صحابہ اور ائمہ فقہاء کی اقتداء۔

الحمدللہ ائمہ دین کی نیت بخیر تھی وہ عوام مسلمانوں کو اپنی تقلید میں گمراہی کی طرف نہیں لے گئے اور نہ منصوص مسائل میں اجتہاد فرمایا اور نہ اس کی اجازت ہے۔ ''شرک فی النبوۃ'' مولویوں کا لفظ ہے اور تقلید سے نفرت دلانے کے لیے اس کو استعمال کیا گیا ہے حالانکہ ''شرک فی النبوۃ'' میں تقلید صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی ہوئی کہ اس نے اپنے آپ کو ظلِ نبوت بتایا اور منصوص مسئلے میں اجتہاد کیا اور خطا کی۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ.

وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا. (الاحزاب)

''محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے، لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔

اَنَا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ. (الحدیث)

اور جس طرح شیطان نے حکمِ خداوندی کے خلاف اجتہاد کیا اور مار کھائی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسائلِ منصوصہ میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔ غیر مقلدین نے عوام کو فریب دیا ہوا ہے کہ ائمہ مجتہدین منصوص مسائل کے خلاف اجتہاد کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

تنبیہ

پیغمبر خدا کو اجتہاد کرنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ پابندِ وحی ہیں، اگر کسی موقع پر پیغمبر خدا کچھ سوچیں بھی تو جس خدا نے آپ کو معصوم عن الخطا بنایا ہے وہ اس سوچ پر قائم نہیں رہنے دیتے بشرطیکہ وہ سوچ عصمتِ نبوت و ناموسِ وحی کے خلاف ہو۔ رہے ائمہ مجتہدین تو ان کو اجتہاد کی ضرورت ہے اور معصوم عن الخطا ہونا بھی ان کے لئے ضروری نہیں ہے اور نہ ان کی شخصی اتباع علی الدوام ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ مگر

پیغمبر کی اتباع فرض ہے اور اس سے روگردانی سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اور امام مجتہد کی صرف تقلید ہوتی ہے اس کو چھوڑ کر آدمی دوسرے امام کی راہِ اجتہاد بھی اختیار کر سکتا ہے، مطلق تقلید و اجتہاد کے انکار سے انسان صرف ''سرپھرا'' ''خودرو'' اور ''غیر مقلد'' تو بن سکتا ہے، کفر اسلام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ائمہ دین مجتہدین کو برا کہنا سوءِ ادبی اور خلاف احترام کرنا فسق ہے، جس طرح صحابہ کو علی العموم برا کہنے والا بدبخت فاسق اور بدمزاج ہے۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور امام وفقیہ کی تقلید میں نمایاں فرق ہو گیا تو غیر مقلدین کو احناف مقلدین سے اتنا دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ مقلدین احناف شرک فی النبوۃ کرتے ہیں۔ امت کی اتنی بڑی اکثریت کو جس میں مفسرینؒ، محدثینؒ، صلحاءؒ وذاکرینؒ، علماءؒ، قراء اور مجتہدین ہوں ایک لکڑی ہانک دینا اور ان کی اسلامی خدمات کو قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھنا غباوت وشقاوت کی بین دلیل ہے۔

مزید وضاحت

(الف) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا اعلان از راہِ اجتہاد کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ دیر بعد آپ کی تقلید فرمائی اور تمام صحابہ ساتھ ہوگئے۔

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح پڑھنا، امام کا منتخب کرنا اور رمضان میں ختم قرآن تراویح میں کرنا اجتہاد فرمایا تھا جو مختلف صحابہ کی روایات کی روشنی میں تھا۔ مدینہ طیبہ میں رہنے والے تمام صحابہ نے آپ کی تقلید فرمائی اور بلا اختلاف کام شروع کر دیا۔

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن دوسری آذان شروع فرمائی، یہ آپ کا اجتہاد تھا مگر چونکہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں تھا، اس لئے تمام صحابہ نے آپ کی تقلید فرمائی۔ اگر نص صریح موجود ہوتی تو شیخین حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی دوسری آذان ضرور دلاتے۔

(د) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کئی جنگیں لڑیں اور جانبین سے ہزاروں خیر القرون کے مسلمان شہید ہوئے، آپ کی تقلید بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمائی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلد بھی صحابہ ہی تھے، بتاؤ ان دو مقلد گروہوں سے کون مشرک فی النبوۃ تھا۔

(ذ) سات قرآت کا لفظ حدیث میں ملتا ہے مگر تین اور ملا کر دس اور چار اور ملا کر چودہ قرآت کا سبق دیا گیا، یہ اجتہاد کیوں رَوا رکھا گیا اور اس کی تقلید کرنے والوں کو مشرک فی النبوۃ کیوں نہیں کہتے؟

(ر) خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کیا۔ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم نے اجتہاد فرمایا۔ مہاجرین

وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتوے از روئے اجتہاد ایک دوسرے سے مختلف ہوئے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفہ، بصرہ، بغداد اور شام میں مختلف فتوے اپنے اپنے اجتہاد کے پیش نظر دیتے رہے۔ کیا ان کی تقلید کرنے والے تمام شرک فی النبوۃ کے مرتکب ہوگئے؟

(ز) اگر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے تو اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قضیے میں قرآن مجید کی آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح حدیث قطعاً نہیں ملے گی۔ اس لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مجبوراً کہنا پڑا کہ اگر قرآن وحدیث سے مجھے صریح حکم نہ مل سکا تو میں اجتہاد کروں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر خدا کی حمد وثناء فرمائی اور خوش ہوئے۔

مسائل واستفتاء

(ح) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک بکری نے بچہ دیا مگر وہ کچھ کتے کی شکل تھا اور کچھ بکرے کی۔ وہ بھونکتا بھی ہے اور ممیاتا بھی ہے اس کا کیا کیا جائے، حلال ہے یا حرام؟

(ط) ایک عورت نے جڑواں دو بچیوں کو جنم دیا، ان کے جوان ہونے کے بعد نکاح و بیاہ کے متعلق کیا ہوگا؟

(ی) ایک عورت کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا وہ مذکر بھی تھا اور مؤنث بھی۔ اس کے جوان ہونے پر شرعی پردہ، ورثہ، نکاح و بیاہ کا کیا بنے گا؟

(ک) بیل اور گدھے کی لید، گوبر، پیشاب کو کھانا اتفاقِ علماء سے ناجائز ہے۔ مگر گندم کی ڈھیری بیل اور گدھوں سے گہائی گئی۔ جس میں انہوں نے بکثرت پیشاب وغیرہ کیا۔ اب کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین اس گندم کو کھانے پینے کے لئے کیسے استعمال کیا جائے؟ کوئی صریح حدیث پیش فرماؤ۔ عوام الناس کی راہبری کس طرح کی جائے۔ کس آیت قرآنی اور صریح حدیث سے دلیل دی جائے۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوا۔ اگر کسی صحابی کا قول یا عمل پیش کرو گے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صریح حدیث نقل نہیں کرتا تو وہ مجتہد اور آپ اس کے مقلد بن گئے پھر وہی پہلے والا چکر شروع ہوگیا۔

بھینس کی قربانی گائے کی طرح ہے مگر بھینس کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ فقہاء نے اس کو گائے پر قیاس کیا ہے۔ قیاس کے منکر غیر مقلدین کوئی حدیث دکھائیں یا تقلید ائمہ کرلیں۔ بصورتِ دیگر بھینس کو حرام قرار دینا پڑے گا۔ حدیث شریف میں کتے کا جھوٹا مردار اور برتن کو صاف کرنے کا حکم آتا ہے مگر گیدڑ، لومڑی، بندر اور بھیڑیے کا ذکر صراحۃً نہیں ہے۔ اگر ان کو کتے پر قیاس کرو گے تو تم بھی قیاس کے چکر میں آجاؤ گے۔ بصورت دیگر کوئی صریح حدیث نہیں ہے، فرماؤ کیا ہوگا؟

(ل) اگر آپ اپنی جان خلاصی کے لیے یہ جواب دیں کہ ہم غیر مقلدین صرف تقلید شخصی کے مخالف ہیں، محض تقلید عام کے مخالف نہیں ہیں۔تو میں یہ کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تقلید شخصی کہیں بھی نہیں۔اجتہاد،تقلید کے الفاظ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ کوئی مجتہد پوری اُمت کے لئے مدارِ حق ومعیارِ فلاح نہیں ہوسکتا۔امام ابوحنیفہؒ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مختلف ہوجاتے تھے۔پھر حنفی مقلد کہلانے والے صاحبینؒ بلکہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے فتوؤں کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ حنفی لوگ تقلیدِ شخصی کے پابند ہیں،ایک فریب کاری ہے۔ اگر حنفی کہلانا تقلید شخصی ہے تو غزنوی اور روپڑی کہلانے والے کون ہیں؟

میں پھر کہوں گا

کہ یہ تقلید اور انکارِ تقلید کا جھگڑا انگریزی دور کی پیداور ہے۔انگریز یہاں سے چلے گئے اب جھگڑا بھی ختم ہوجانا چاہیے۔اگر اس طوفان کی گنجائش ہوتی تو ایک ہزار سال تک یہ مسئلہ کسی سردخانے کی امانت نہ رہتا اور اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائمہ اربعہ کی تقلید میں گمراہ ہوکر نہ مرتی۔نہ حنفی ہوتے نہ مالکی اور نہ شافعی وحنبلی بلکہ ساری امت سلفی اور اہلحدیث ہوتی یعنی غیر مقلد ہوتی۔اس لیے کہ حنفی، مالکی، حنبلی وشافعی نسبت کے الفاظ کو تسلیم کرنا تو انسان کو مشرک فی النبوۃ بنا دیتے ہیں۔البتہ سلفی، روپڑی، غزنوی اور غرباء...... یہ الفاظ توحیدِ رب العالمین اور سنتِ رحمۃ اللعالمین کی غمازی کرتے ہیں۔

صرف فرق ہے تو اتنا کہ پہلے الفاظ خیر القرون کے دور میں بولے جاتے تھے یعنی حنفی، شافعی ،مالکی، حنبلی اور یہ الفاظ سلفی، روپڑی، غزنوی، غرباء اور ثنائی ہندوستان میں فرنگی ملوکیت کی یادگار ہیں۔

مقلدینِ حنابلہ کا استحصال

سرزمینِ حجاز میں آلِ سعود کی حکومت ہے اور اس خطۂ عرب شریف میں اسلامی حکومت ہے۔ حکومت کے قاضی ومفتی علامہ عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں اور وہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد حنبلی المسلک ہیں۔وہاں فقہ حنبلی پر عمل ہوتا ہے۔مگر یہ غیر مقلد سلفی لوگ عرب شریف میں اپنے آپ کو سلفی اور اہلحدیث ہی کہلاتے ہیں۔وہاں ائمہ فقہاء کی تقلید کے انکار کا نام ہی نہیں لیتے۔اگر ایک دن اُن کو یہ کہہ دیں کہ تقلید ائمہ شرک فی النبوۃ ہے تو وہ ان کو غیر مقلدیت اور ان کی سلفیت کا مزا چکھا دیں گے۔وہاں یہ مذہبی خسرے نہ مقلد اور نہ غیر مقلد ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔اربابِ حکومت اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈال کر پیسہ حاصل کررہے ہیں کہیں ''جامعہ ابوبکر ہے'' اور کہیں ''جامعہ ابوہریرۃ'' کے نام سے مدرسے

بنا کر دونوں ہاتھوں سے حصول زَر کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ حکومتِ حجاز ایسے ناموں کو پسند کرتی ہے۔ تلون مزاجی کی حد ہوگئی۔

مقلدینِ احناف کا استحصال

غیر مقلدین کے تمام مدارس میں حنفی علماء کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ عقائد، اصولِ حدیث کی وہ کتب جن کے مصنف خالص حنفی یا شافعی ہیں اور نہ اِن کے پاس فتویٰ دینے کے لیے کوئی فتاویٰ کی کتاب موجود ہے جو کسی غیر مقلد نے تصنیف کی ہو۔ مگر اس کے باوجود فقہاءِ اَحناف اور حنفیوں سے اتنا ناراض ہیں جس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے خلوصِ نیت کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ وہ قاضی الحاجات، مستجاب الدعوات اِن کے مغالطے دور فرماوے اور ہمیں مل کر خدمتِ دین اَنجام دینے کی توفیق مرحمت فرماویں۔ اللھم آمین

آخری معروضہ

سلفی اہلحدیث لوگوں کو جب ''غیر مقلد'' کہا جائے تو ان کی طبیعت میں متلی سے الٹی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ قریب ہوتا ہے کہ حنفیوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ مشرک کے مقابلے میں کسی کو موحد کہو یا غیر مشرک یہ برابر ہے۔ اس طرح جاہل کے مقابلے میں کسی کو پڑھا ہوا کہو یا غیر جاہل کہو ایک بات ہے اور کسی بخیل کے مقابلے پر دوسرے انسان کو سخی کہو یا غیر بخیل کہو دونوں الفاظ صحیح ہیں۔ جب حنفی لوگ مقلدِ امام ابوحنیفہ ہیں تو ان کو آپ حنفی کہو یا مقلد کہو، ہزار بار یا ایک بار کہو، کہتے جاؤ۔ مگر تعجب ہے کہ حنفیت اور تقلید کے منکر اپنے آپ کو غیر مقلد نہیں مانتے اور نہ کسی سے سننا برداشت کرتے ہیں۔ اگر مقلد کا معنی مشرک فی النبوۃ ہے تو غیر مقلد کا معنی غیر مشرک فی النبوت ہوگا۔ پھر غیر مقلد کے لفظ سے نفرت اور مقلدین سے بھی نفرت کا کیا معنی؟ اللہ تعالیٰ اس غیریت کو ختم فرماویں۔ جس طرح بریلوی لوگ اولیاء اللہ کو غیر اللہ نہیں مانتے۔ اس طرح یہ وہابی سلفی بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہلانے سے سخت ڈرتے ہیں۔

چوری اور سینہ زوری

لفظ اہلحدیث ان غیر مقلدین حضرات نے شافعی مقلدین سے سرقہ فرمایا ہے۔ شوافع اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ امام ترمذی جو شافعی مسلک ہیں۔ انہوں نے یہ لفظ اپنی جماعت کے لئے استعمال کیا ہے۔ غیر مقلد سلفی اس لفظ اہلحدیث سے اپنی ستر پوشی کرتے ہیں، یہ سرقت (چوری) کیسے جائز ہوگئی؟

☆......☆......☆......☆

محمد یامین، اسلام آباد

مولانا زاہد الراشدی سے چند سوالات

محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امیر عبد القادر الجزائری کے بارے میں ''الشریعۃ'' اور ''ضربِ مؤمن'' کے درمیان جاری مکالمہ بہت دلچسپی سے پڑھا۔ چند باتیں ذہن میں ہیں جو گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔

۱......مفتی ابولبابہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، آپ کی تائید کردہ کتاب سے لکھا ہے اور باحوالہ لکھا ہے، اس میں اس کا عورتوں کے ساتھ اختلاط، مہمانوں کو شراب پیش کرنا، کفار سے بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرنا، ان کی خوشامد کر کے معافیاں مانگنا وغیرہ خود آپ کی پسند فرمودہ کتاب سے ثابت ہے۔ اب آپ یا تو اقرار کریں کہ امیر عبد القادر الجزائری واقعی اسی چال چلن کا آدمی تھا اور یا پھر تسلیم کریں کہ کائزر نے اس کے بارے میں غلط بیانی کی ہے، اس صورت میں آپ بھی تقریظ لکھنے کی بناء پر کائزر کی غلط بیانی میں شریک ٹھہرائے جائیں گے۔

۲......آپ نے مفتی صاحب کے اعتراضات کا جواب دینے کی بجائے ان پر یہ الزام لگانے پر اکتفاء کیا ہے کہ ان کا لب ولہجہ ٹھیک نہیں ہے، ان کا انداز سخت ہے وغیرہ، اس کے جواب میں آپ اسی شمارے میں اپنے فرزند عمار خان ناصر کا شیخ اسامہ بن لادنؒ کے بارے میں لب ولہجہ ملاحظہ فرمالیں کہ دنیا سے رخصت ہو چکنے کے بعد شیخ کے بارے میں اس نوعیت کی الزام تراشی اور طعنہ بازی یہ کس قسم کی اخلاقیات ہے؟

۳......آپ نے حضرت امامِ اہل سنتؒ کی ترجمانی کے مفتی صاحب کے دعویٰ کی سختی سے تردید کی ہے، اسے ناقابلِ برداشت بتایا ہے اور گمراہ کن قرار دیا ہے، عجیب بات ہے کہ جنہیں حضرت امامِ اہل سنتؒ کافر کہتے تھے، انہیں آپ مسلمان کہتے ہیں، جنہیں انہوں نے گمراہ قرار دیا، انہیں آپ اہلِ علم میں شمار کرتے ہیں، جن نظریات کو انہوں نے بدعت و گمراہی سمجھا انہیں آپ ''تفرد'' خیال فرماتے ہیں، جن چیزوں کو وہ ''حرام'' کہتے تھے انہیں آپ ''ضروری'' قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود آپ ان کے نہ صرف ترجمان ہیں بلکہ آپ کے انداز سے ہٹ کر ان کی ترجمانی کا دعویٰ کرنے والا ''گمراہ'' ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب عقائد ونظریات اور اصول فروع میں امامِ اہل سنتؒ سے اختلاف کے باوجود آپ ان کے ترجمان بلکہ جانشین ہیں تو محض لب و لہجہ کے اختلاف کے ساتھ مفتی صاحب کا امامِ اہل سنتؒ کی ترجمانی کا دعویٰ کیوں گمراہ کن اور ناقابلِ برداشت ہے؟ حضرت امامِ اہلِ سنتؒ کے ہزاروں شاگرد اس وقت موجود ہیں جو حضرت کے مسلکی تصلب اور ''قدامت پسندی'' کے گواہ ہیں، حضرتؒ کی اپنے ہر شاگرد، مرید اور ملنے والے کو ''اپنے اکابر کا دامن نہ چھوڑنا'' کی نصیحت

آج بھی ان سب کو خون کے آنسو رلاتی ہے،ان سب حضرات کی موجودگی میں جناب عمار خان ناصر نے الشریعہ کے امامِ اہلِ سنت نمبر میں حضرت کے مسلک ومشرب کو جس بے دردی سے مسخ کیا ہے وہ سب ’’تحقیق‘‘ ہے اور مفتی صاحب اگر حضرت امامِ اہلِ سنتؒ کے مؤقف کو ان کا مؤقف بتاتے ہیں تو یہ بات گمراہ کن اور نا قابلِ برداشت ہے؟

۴......آپ نے اپنے طرزِ عمل کے حق میں حضرت امامِ اہلِ سنت اور دیگر اکابر کے متعدد حوالہ جات و واقعات پیش فرمائے ہیں، جب آپ اپنی مرضی کے خلاف حضرت امامِ اہلِ سنتؒ اور دیگر اکابر کے کسی بھی فیصلے کو قبول کرنا لازم نہیں سمجھتے تو اپنے حق میں ان کی عبارات کو پیش کرنے کا آپ کو کیا حق ہے؟ آپ نے ’’علمی وفکری مسائل میں طرزِ عمل‘‘ کے عنوان سے بہت سے واقعات لکھے ہیں جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امامِ اہلِ سنت کو بیشتر مسائل میں آپ سے اختلاف تھا اور وہ آپ کو سمجھانے کی کوشش بھی کرتے تھے، جبکہ آپ اکثر اوقات ان کی بات نہیں مانتے تھے، اور اب ان باتوں سے اس طرح استدلال فرما رہے ہیں کہ ’’کبھی ہلکی پھلکی گفتگو سے بات آگے نہیں بڑھی‘‘۔اسی طرح آپ نے ’’معاشرتی وسماجی تعلقات‘‘ کے عنوان سے بھی بہت سی باتیں ذکر کی ہیں جن میں بعض فرقوں سے تعلق رکھنے والے بعض افراد کے جنازے وغیرہ میں آپؒ کی شرکت کا ذکر ہے، جبکہ دیگر فرقوں مثلاً شیعہ وغیرہ سے تعلقات میں انتہائی شدت وسختی اختیار فرمانے کا کوئی ذکر نہیں۔کیا یہ بددیانتی نہیں؟ اس عنوان کے تحت آپ نے مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کے حوالے سے بھی بعض واقعات کا ذکر کیا ہے جبکہ قاضی شمس الدین صاحبؒ خود حضرت شیخؒ کی تصریح کے مطابق ہرگز مماتی نہیں تھے۔

۵......یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آپ ایک مخصوص طرزِ تکلم اور اندازِ بیان کو مکالمہ کیلئے لازم قرار دے کر اس سے انحراف کو بدتہذیبی قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں جبکہ عقائد ونظریات، مسائل ومعاملات، اور اصول و فروع میں ہر شخص کو ہر بات کہنے کی آزادی دیتے ہیں اور اجماعی مسائل میں اختلاف کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو اخلاق وتہذیب میں وہ کون سا فارمولا ہے جس پر ’’اجماع‘‘ منعقد ہو چکا ہے اور جس سے روگردانی قابلِ تعزیر جرم ہے؟ اگر قرآن پاک میں **فمثله کمثل الکلب، اؤلئک کالانعام بل هم اضل، اؤلئک علیهم لعنة اللـه والـملائـکة والناس اجمعین، کمثل الحمار یحمل اسفارا،** اور حدیث شریف سے ’’**امصص بظر اللات**‘‘، یا **اخوة القردة والخنازیر** اور ابوالحکم کو ابوجہل کا نام دینا وغیرہ سے استدلال کر کے کوئی شخص اپنی تحریر میں کسی کو کتا، جانور، لعنتی، گدھا وغیرہ لکھے تو کس ’’اجماعی‘‘ دلیل سے وہ بدتہذیب کہلایا جائے گا؟

۶......آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ کے مضامین کو ضربِ مؤمن میں شائع کرنا ضربِ مؤمن والوں کی اخلاقی ذمہ داری تھی اور انہیں شائع نہ کر کے گویا ضربِ مؤمن والوں نے صحافتی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔فی الواقع میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کس قانونِ اخلاق کے تحت آپ کے مضامین وخیالات کو شائع

کرنا ضربِ مؤمن والوں پر واجب ہے۔ ہر شخص اپنے مؤقف کو خود شائع کرتا ہے، آپ خود تو ''آزاد فورم'' کا دعویٰ کرنے کے باوجود مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب کا عمار خان ناصر صاحب کے جواب میں تحریر کیا گیا مضمون شائع کرنے کے بعد بھی اگلے ایڈیشن سے نکال دینے میں حق بجانب اور صحافتی اخلاقیات کے علمبردار ہیں جبکہ ضربِ مؤمن والے ''آزاد فورم'' کا دعویٰ نہ کرنے کے باوجود بھی آپ کے مضامین اپنے اخبار میں شائع کرنے کے پابند۔۔۔آخر معاملہ کیا ہے؟

۷......آپ کا فرمان ہے کہ الجزائری کی سوانح کے دار الکتاب سے جبرا شائع کروائے جانے کے معاملے میں ضربِ مؤمن نے غلط بیانی کی تھی اور اس غلط بیانی پر ضربِ مؤمن کو معافی مانگنی چاہئے، بجا۔۔لیکن آپ کی توجہ ایک اور معاملے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جناب عمار خان ناصر کے ایک مضمون کی بنیاد پر مولانا عبدالقیوم حقانی نے ان پر قادیانیت نوازی کا الزام لگایا اور انہیں اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، آپ نے اس پر شدید ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے اسے ''دینی جدوجہد کی اخلاقیات'' کی خلاف ورزی قرار دیا، بلکہ ظلم کی انتہا کرتے ہوئے بعض ختمِ نبوت کے مرحوم اکابر بزرگوں کے ''دینی جدوجہد کی اخلاقیات'' سے عاری ہونے کے بھی کچھ واقعات ذکر کر دیئے۔مگر الشریعہ مئی ۲۰۱۲ میں خاطرات کے عنوان سے جناب عمار خان ناصر نے خود اپنے قلم سے یہ اعتراف کر لیا کہ وہ درحقیقت اس سے پہلے قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور اب انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جناب مولانا عبدالقیوم حقانی نے جب عمار خان ناصر پر تنقید کی تھی تب عمار خان ناصر قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور حقانی صاحب کی ان پر تنقید بالکل درست اور برمحل تھی، چاہئے تھا کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد آپ واضح الفاظ میں حقانی صاحب سے معذرت کرتے اور قارئین کو بتاتے کہ اس وقت عمار خان صاحب کو قادیانی نواز بتانے میں جناب حقانی صاحب بالکل برحق تھے اور آپ نے ان پر حقائق کو توڑنے موڑنے کا جو الزام لگایا تھا وہ غلط تھا، لیکن افسوس کہ آپ نے اس اہم معاملہ پر بالکل چپ سادھ لی گویا کچھ ہوا ہی نہیں اور پھر بھی آپ اب تک ساری دنیا کو تنگ نظر اور اخلاقیات سے عاری بتانے کی اسی پرانی روِش کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

۸......امیر عبدالقادر الجزائری پر لگنے والے اخلاقی الزامات کی جناب عمار خان ناصر نے جو توجیہ کی ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ کی بعض خطاؤں پر جناب نبی کریم ﷺ کی تنبیہ کے باوجود ان کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح امیر عبدالقادر الجزائری کی غلطیوں سے بھی اس کی عظمت وشان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔کاش کہ جناب عمار خان ناصر اپنی اس خداداد ذہانت ونکتہ آفرینی کو الجزائری کے دفاع میں تاویلیں تلاش کرنے کی بجائے حق بات کو سمجھنے کیلئے استعمال کرتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی اجتہادی خطا اور امیر عبدالقادر الجزائری کی غلطیوں میں زمین وآسمان کا

فرق ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ سے جو خطا سرزد ہوئی وہ ان کی لاعلمی کی بناء پر تھی، الجزائری کے غیر محرم عورتوں کے ساتھ چہل قدمیاں کرنے، مہمانوں کو شیمپئین پیش کرنے، یہود و نصاریٰ کا بغل بچہ بن جانے کو حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تشبیہ دینا ظلمِ عظیم ہے۔ نجانے جناب عمار خان ناصر کو روزِ قیامت اللہ جل شانہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی بارگاہ میں جوابدہی کا خوف کیوں نہیں آیا۔

۹......امیر عبدالقادر الجزائری کے شام کے عیسائیوں کی مدد کرنے کے عمل کو صحیح یا غلط قرار دینے سے پہلے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ الجزائری کے شکست کھا جانے، اس شکست کو دل و جان سے قبول کر لینے، اور پھر تاحیات جہاد سے توبہ کر لینے کے بعد اسے بہت بڑا اور عظیم مجاہد قرار دینا جہاد کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کے دیگر نیک کارناموں کی بناء پر، اگر وہ کارنامے نیک تھے، اسے ایک عظیم الشان صوفی قرار دیا جاتا تو شائد بر موقع ہوتا، اگر الجزائری اپنے ان ''نیک کاموں'' کی بھاری تنخواہ ساری عمر وصول نہ کرتے رہتے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر جناب الجزائری اتنی ہی عظیم شخصیت تھے جتنا انہیں ثابت کیا جا رہا ہے تو اس عظیم ترین شخصیت کی پاکستان میں ''رونمائی'' جناب جان ڈبلیو کائزر کے واسطے سے ہی کیوں ہوئی؟ اسلامی تاریخ میں کوئی اور کتاب ایسی نہیں تھی جو اس عظیم کارنامے کیلئے موزوں ہوتی؟ ایسا تو نہیں ہے کہ جنابِ کائزر نے اپنے خیالات و افکار کو جناب عبدالقادر الجزائری کی شکل میں ڈھال کر اشاعت کے ثواب کیلئے آنجناب کے حوالے کر دیا ہو اور اب صفائیاں دینے کیلئے آپ کو میدان میں چھوڑ دیا ہو؟

۱۰......آخر میں جناب عمار خان ناصر نے دبے دبے لفظوں میں گھومتے گھماتے یہ اقرار کر ہی لیا ہے کہ جان ڈبلیو کائزر نے اپنی کتاب میں اگر اپنے فکری پسِ منظر، ذاتی رجحانات، اور تعصّبات کو ملحوظ رکھ کر صاحبِ سوانح کے کردار میں تبدیلی کر دی ہو تو کچھ بعید نہیں ہے، لیکن پھر سوال یہ ہے کہ جناب عمار خان ناصر نے اس کی نشاندہی یا اصلاح کیوں نہیں کی؟ جواب سنیئے! فرماتے ہیں کہ: ''علمی دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ کائزر نے الجزائری کی شخصیت کو جس طرح سمجھا اور پیش کیا ہے، اسے اسی طرح رہنے دیا جائے'' سبحان اللہ! یعنی اگر کوئی شخص اپنے ذاتی رجحانات و تعصّبات کی خاطر دوسرے کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کرتا ہے تو اس کی اس کاوش کو سر آنکھوں پر رکھا جائے، اسے عام کیا جائے، تاہم ''علمی دیانت'' کی خاطر اس کی اس فریب کاری کا پردہ بالکل چاک نہ کیا جائے۔ جناب مولانا زاہد الراشدی اور جناب عمار خان ناصر، دونوں نے اس کتاب کا تفصیل سے مطالعہ کیا ہے، مولانا راشدی صاحب نے صرف کائزر کی ایک خیانت کا ذکر کیا ہے جبکہ جناب عمار خان ناصر نے دورانِ مطالعہ ''کھٹکنے'' والی ایک بات کا بھی ذکر نہیں فرمایا اور ایک کافر امریکی کی لکھی ہوئی کتاب کو ''پوری دیانت داری'' کے ساتھ عوام الناس کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ کیا اس عمل کو ''غیر ذمہ داری'' سے کم بھی کوئی عنوان دیا جا سکتا ہے؟

امید ہے ان گذارشات پر ضرور غور فرمائیں گے۔ والسلام......محمد یامین، اسلام آباد

مولانا مفتی شعیب احمد

اسلام کا تصور جہاد......اور......عمار خان ناصر

(......قسط ۵......)

باب دوم:

دلائل کا تفصیلی تجزیہ

گذشتہ صفحات میں غامدی وعمار صاحب کے تصور جہاد کا عمومی جائزہ، اس کے لوازمات اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کے حوالے سے معروضات پیش کی گئی تھی۔ جن سے اس تصور جہاد کی معقولیت کا اجمالی اندازہ تو ہو ہی گیا ہے، لیکن ابھی بحث میں تشنگی رہے گی اگر ان حضرات کے دلائل کا تفصیلی تجزیہ نہ کیا جائے۔ اگرچہ کسی نظریے کے غلط ہونے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے کہ وہ امت کے اجتماعی ضمیر اور صدیوں پر محیط خرد و دانش کے فیصلے سے متصادم ہے، لیکن جب فریق مقابل امت کے اجتماعی ضمیر کو اتھارٹی ہی تسلیم نہ کرتا ہو اور اپنے ہی دلائل پر نازاں ہو(۱)، تو بات دلیل پر آجاتی ہے اور آنی بھی چاہیے، اس لیے دلائل کی تھوڑی سی خدمت گذاری بھی ضروری ٹھہرتی ہے۔ چنانچہ پیش آمدہ سطور میں ان حضرات کی طرف سے اپنے تصور جہاد کے حق میں پیش کیے گئے دلائل کا قدرے تفصیلی تجزیہ پیش خدمت ہے۔

فصل:

جہاد برائے غلبہ دین اور صحابہ کی خصوصیت ؟

جیسے پہلے ذکر ہوا، غامدی وعمار خان اس بات کے دعویدار ہیں کہ غلبہء دین کے لئے جہاد کی ذمہ داری صرف صحابہ پر تھی بعد والوں پر نہیں تھی اس لیے یہ حکم بھی انہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ لیکن یہ سوال فطری

---

(۱)۔ عمار صاحب کے ''استاذ گرامی'' نے اپنی کتاب 'مقامات' صفحہ ۱۲۱ پر ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں ان سے ایک سنتری نما عالم نے کہا:

> ''تم جو کتاب لیے جارہے ہو اسے پڑھ لو۔ یہ ایک بڑے آدمی کی کتاب ہے، میں تمہیں ایک اور کتاب دوں گا جس میں اس کتاب پر علمی تنقید کی گئی ہے۔ تم کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اسے بھی پڑھ لو۔ علم کی دنیا میں اشخاص کوئی اہمیت نہیں رکھتے، یہاں ساری اہمیت صرف دلیل کو حاصل ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

''یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا جب میں دلیل کی اہمیت سے واقف ہوا۔ میری یہی واقفیت آج بھی میری زندگی کی سب سے بڑی متاع ہے'' (بحوالہ: تحفہ غامدی، ۴)

ہے کہ اتنا خلاف بداہت دعوی آخر کس دلیل پر مبنی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں مذکورہ جہاد کے صحابہ کے ساتھ خاص ہونے کا سبب کیا ہے؟ اس خصوصیت کے لیے عمار خان صاحب نے اپنی تحریر میں درج ذیل چار سبب گنوائے ہیں:

۱۔ اتمام حجت۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہادت علی الناس کے خاص منصب پر فائز کیا گیا اور اسی کے تحت ان کا مذکورہ اقوام کے خلاف قتال کا اختیار دیا گیا۔

۳۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جنگی اقدامات کے جغرافیائی اہداف محدود اور متعین تھے اور اس دائرے میں وہ جہاد و قتال کے اس سلسلے کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جانے کی بجائے محدود سے محدود تر رکھنے کے خواہش مند تھے۔

۴۔ قران مجید میں اظہار دین کی صورت میں نبی ﷺ کی بعثت کا جو ہدف مقرر کیا گیا تھا وہ جزیرۃ العرب اور اس کے بعد فارس و روم کے علاقوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جانے سے آخری حد تک مکمل ہو گیا اور اس پیش گوئی کا کوئی جزو تاریخی طور سے تشنہ تکمیل نہیں رہا۔ (جہاد: ۱۶۳)

[نوٹ: تفصیل ذکر کرتے ہوئے ضرورت کے پیش نظر تیسرے سبب کو چوتھا اور چوتھے کو تیسرا شمار کیا گیا ہے]

ان اسباب یا دلائل کے بارے میں اگرچہ ہماری مختصر ارائے یہی ہے کہ یہ سب اسباب زیادہ سے زیادہ مغالطے ہیں لیکن قارئین کو اس حقیقت تک پہنچانے کے لیے کچھ تفصیل درکار ہوگی چنانچہ آئندہ سطور میں ان اسباب پر علیحدہ علیحدہ بحث پیش خدمت ہے۔

پہلا سبب: اتمام حجت

روم و فارس والوں کے ساتھ غلبہ دین اسلام کی خاطر جہاد صحابہ ہی کے ساتھ مخصوص کیوں تھا؟ ان لوگوں کے نزدیک اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس قتال کی بنیاد یا دلیل شرعی نصوص، قرآنی آیات اور احادیث نہیں تھیں بلکہ اس قتال کی وجہ وہ اتمام حجت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ہاتھوں ان سلطنتوں کے سربراہوں کو خط لکھنے کی شکل میں ہوئی۔ اور اتمام حجت کے بعد خدائی عذاب کی شکل میں صحابہ ان سلطنتوں پر ٹوٹ پڑے۔ عمار صاحب لکھتے ہیں:

''حدیث وسیرت کے ذخیرے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کے ان اقدامات کی شرعی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے وہ خطوط تھے جو آپ نے جزیرۃ العرب اور اس کے گردونواح کی سلطنتوں کے سربراہوں کے نام لکھے تھے۔ ان خطوط کو ہمارے اہل سیرت بالعموم ''دعوتی خطوط'' کا عنوان دیتے ہیں۔ حالانکہ مضمون اور پیش وعقب کے حالات سے واضح ہے کہ ان میں مخاطبین کو محض

سادہ طور پر اسلام کی دعوت نہیں بلکہ یہ وارننگ دی گئی تھی کہ ان کے لیے سلامتی اور بقاء کا راستہ یہی ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں بصورت دیگر انہیں اپنی حکومت واقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے گا''۔
(جہاد: ۱۴۰)

آگے خطوط نبوی کا مضمون نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

گویا ان خطوط کی حیثیت اتمام حجت کی تھی جس کے بعد ان اقوام کے خلاف جنگی اقدام کی اجازت (؟) صحابہ ﷡کو حاصل ہوگئی تھی۔ (جہاد: ۱۴۸)

مذکورہ بالا اقتباس میں کئی چیزیں قابل غور ہیں۔

اتمام حجت کیا ہے؟

اتمام حجت کیا ہے، اور وہ کیسے وجود پذیر ہوتا ہے؟ عمار صاحب کی تحریر میں اس کی زیادہ تفصیل نہیں البتہ غامدی صاحب کی درج ذیل عبارت میں اس کی خاصی وضاحت ہے:

''اتمام حجت۔ (انبیاء کی دعوت میں) تیسرا مرحلہ ہے، اس تک پہنچنے میں حقائق اس قدر واضح ہوجاتے ہیں کہ مخاطبین کے پاس کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہیں رہ جاتا یہی چیز ہے جسے اصطلاح میں ''اتمام حجت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی جو کچھ پیش کیا جارہا ہے وہ اس طرح مبرہن ہوجائے کہ ضدہٹ دھرمی اور عناد کے سوا کوئی چیز بھی آدمی کو اس کے انکار پر آمادہ نہ کرسکے۔ اس میں ظاہر ہے اسلوب، استدلال، کلام اور پیغمبر کی ذات وصفات اور علم وعمل میں خدا کی آیات بینات، ہر ہر چیز موثر ہوتی ہے، یہاں تک کہ معاملہ کھلے آسمان پر چمکتے سورج کی طرح روشن ہوجاتا ہے۔''
(میزان: ۱۹۰)

غامدی صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ عمار صاحب کی طرف سے روم وفارس پر اتمام حجت ہوجانے کا دعوی غلط ہے کیونکہ اس عبارت کے مطابق مشرکین عرب پر تو اتمام حجت بنتا ہے، کہ ان میں نبی ﷺ خود بنفس نفیس سالہا سال موجود رہے، وہ لوگ آپ کے اوصاف، صدق وامانت سے اچھی طرح آگاہ تھے زبان ایک، معاشرت ایک، معجزات کا مشاہدہ، پھر قرآن کا معجز ہونا، وغیرہ اور اس اتمام حجت کو پورا ہونے میں تقریبا بیس برس لگے جبکہ قیصر وکسری کو آپ ﷺ نے صرف خطوط لکھے۔ ظاہر ہے صرف ایک آدھ خط یا پیغام سے ''معاملہ کھلے آسمان پر چمکتے سورج کی طرح روشن'' تو نہیں ہوتا کہ اسے غامدی صاحب ہی کے اصول کے مطابق بھی اتمام حجت کہا جاسکے۔ اس لیے عمار صاحب کا صحابہ کے قتال کو اتمام حجت پر مبنی قرار دینا بے بنیاد دعوی ہے۔

☆ عمار صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ

”صحابہ ؓ کے قتال کی شرعی بنیاد یہ خطوط تھے“۔

یہ خود ایک دعوی ہے جسے پایہ ثبوت تک پہنچنے کے لیے دلیل چاہیے۔ کیا صحابہ ؓ روم وفارس کے خلاف جنگ اس لیے کرنے گئے تھے کہ انہوں نے خطوط کو نہیں مانا؟ کیا کبھی خلفاء راشدین نے ان کے خلاف جنگ کے لیے خطوط کی بنیاد کو ذکر کیا۔؟ یا امیر لشکر نے ترغیب دیتے ہوئے اس کا عندیہ دیا ہو۔؟

☆ عمار صاحب نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ

”گویا ان خطوط کی حیثیت اتمام حجت کی تھی جس کے بعد ان اقوام کے خلاف جنگی اقدام کی اجازت صحابہ کو ہوگئی تھی“

سوال یہ ہے کہ خطوط کے بعد اجازت حاصل ہونے کا کیا مطلب؟ کیا صحابہ ؓ کو صرف اجازت تھی یا ان کی ذمہ داری اور فریضہ تھا؟ اس لیے اجازت کی تعبیر نا قابل فہم ہے۔

☆ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کی طرح فارس وروم کے تمام رہنے والوں پر خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم ہوں اتمام حجت ہوا تھا یا صرف حکمرانوں پر ہوا تھا؟ کیونکہ خطوط تو صرف حکمرانوں کو لکھے گئے تھے۔ مشرکین عرب میں تو دعوت دین بڑی تدریج اور تفصیل سے ہر ہر طبقے تک پہنچی تھی، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہر شخص پر اتمام حجت ہوا تھا جبکہ فارس وروم کے حکمرانوں اور عوام پر اتمام حجت نہیں ہوا تھا، اگرچہ حکمرانوں کے سامنے مسلمانوں کی تاریخ بھی تھی اور ان کو نبی ﷺ کی طرف سے خطوط بھی مل گئے تھے اور ہرقل نے تو آپ ﷺ کے بارے میں علمی تحقیق بھی کروالی تھی۔ لیکن بہرحال مجموعی طور سے حجت اس درجے کی قائم نہیں ہوئی تھی جس درجے کی مشرکین عرب پر ہوئی اور عوام کی اکثریت تک تو اسلام کی دعوت پہنچی ہی نہیں تھی، اس لیے مشرکین عرب کے مقابلے میں فارس وروم کے حکمرانوں کے سامنے یہ اختیار رکھا گیا کہ یا تو مسلمان ہو جائیں تو ان کی حکومت بحال رہے گی، یا مسلمانوں کے باجگذار اور تابعدار بن جائیں، یا پھر میدان جنگ میں آجائیں۔

پھر حکمرانوں کو شکست دینے کے بعد وہاں کی پبلک کو نہ تو غلام بنایا گیا اور نہ ہی ان پر دین بدلنے کے لیے جبر کیا گیا بلکہ دین اسلام کی تعلیمات تک ان کی براہ راست رسائی ممکن بنائی گئی، مسلمان افواج اور ان کے دیگر طبقات (مثلاً علماء صلحاء وغیرہ) کے طرز عمل کا مشاہدہ ان کو فراہم کیا گیا، تاکہ وہ اپنی رغبت سے مسلمان ہو جائیں اور اگر کفر پر رہیں تو جزیہ دے کر رہیں اور جزیہ کا نفاذ بھی غلبہ دین اور اعلائے کلمۃ الاسلام ہی کی خاطر تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مشرکین عرب پر خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم ہوں حجت تام ہوئی جبکہ فارس وروم

کے حکمرانوں پر حجت قائم تو ہوئی لیکن ناقص ہوئی اور فارس وروم کے محکوم عوام پر اور دیگر علاقوں کے حاکم ومحکوم سب پر جن کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ان پر حجت قائم ہی نہ ہوئی۔

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے تو کیا دیگر علاقوں کے حاکم ومحکوم، رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ دین حنیف اور سنت راشدہ کے محتاج نہ تھے؟ کافر حکمران ہر جگہ تو اسلام کی پرامن دعوت کو برداشت نہیں کرتے۔اس لیے دعوت کے مانعین حکمرانوں کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہاں کے محکوم لوگوں تک بلاکسی حسی (قانونی پابندی) یا معنوی (شوکت وہیبت) رکاوٹ کے دین حق کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آزادی کے ساتھ اسلام کو اختیار کرسکیں۔علاوہ ازیں کیا ان علاقوں میں غلبہ دین کی ضرورت نہیں؟ ظاہر ہے جب ان سب سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو روم وفارس کے علاوہ علاقوں کے لیے بھی روم وفارس ہی کی طرح دین کی دعوت اور ترتیب جہاد قائم کرنا ضروری ہوگا۔

'اتمام حجت' کا ایک اور پہلو:

اتمام حجت کا جو فلسفہ غامدی صاحب کی تقلید میں عمار صاحب نے اختیار کیا ہے ،اس میں اس پہلو سے تو واضح تضاد تھا ہی کہ اتمام حجت کی ان کی اپنی ہی تعریف روم وفارس کے حق میں صادق نہیں آتی۔اس کے علاوہ ایک اور پہلو سے بھی (جو زیر نظر مسئلے سے ہی تعلق رکھتا ہے) یہ فلسفہ محل نظر ہے۔یہ پہلو غامدی صاحب کی تصریح کے مطابق یوں ہے:

> ''اللہ کے پیغمبر جب تبلیغ کا حق بالکل آخری درجے میں ادا کردیتے ہیں اور حجت تمام ہوجاتی ہے تو یہ (یعنی ہجرت وبراءت کا) مرحلہ آجاتا ہے۔اس میں قوم کے سرداروں کی فرد قرارداد جرم بھی پوری وضاحت کے ساتھ انہیں سنادی جاتی ہے اور یہ بات بھی بتادی جاتی ہے کہ ان کا پیمانہ عمر لبریز ہوچکا۔لہذا اب ان کی جڑیں اس زمین سے لازما کٹ جائیں گی۔'' (میزان:۱۹۲)

اس کے دو صفحے بعد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''وہ (یعنی پیغمبر) اپنی رائے سے یہ خیال کرکے کہ اس کی طرف سے فرض دعوت کافی حد تک ادا ہوچکا، اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔اس پر لازم ہے کہ وہ جس ذمہ داری پر مامور ہوا ہے اس میں برابر لگا رہے۔یہاں تک کہ اس کا پروردگار ہی یہ فیصلہ کردے کہ حجت پوری ہوگئی،قوم کی مہلت ختم ہوئی اور پیغمبر انہیں چھوڑ کر جاسکتا ہے'' (میزان:۱۹۴)

ان عبارات کے حاصل اور اس پر وارد ہونے والے اشکال کی جانب بڑھنے سے قبل ضمنا یہ واضح کرتے

چلیں کہ پیچھے ذکر کردہ اتمام حجت کی تعریف اور اتمام حجت کے بارے میں ان کی یہ عبارت باہم متصادم ہیں کیونکہ تعریف کے مطابق تو اتمام حجت کا مرحلہ کھلے آسمان پر سورج کی طرح ہوتا ہے جسے ظاہر ہے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے، جب کہ اس عبارت کے مطابق خود پیغمبر بھی یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ اتمام حجت ہو گیا ہے یا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسا معاملہ ہے کہ ایک طرف تو وہ روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے اور دوسری جانب خود معاملے کو اس مرحلے تک پہنچانے والے پیغمبر کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔؟

بہرحال غامدی صاحب کی ان دونوں عبارات کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ کے پیغمبر کسی قوم پر دعوت وتبلیغ کے ذریعے حجت تام کر دیتے ہیں تو اس قوم کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اور لازماً ان کی جڑیں کاٹ کر کرہ ارضی سے ان کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ غامدی صاحب کے مطابق یہ ایک اٹل اور دوٹوک قانون خداوندی ہے۔ روم وفارس کے خلاف صحابہ کے جہاد کو بھی وہ اسی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر تاریخ عالم اور قرآنی قصص وواقعات اور سیرت کو دیکھا جائے تو یہ دوٹوک اصول ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ خود غامدی صاحب والا ''اتمام حجت'' ہو جانے کے باوجود یا تو اقوام پر سرے سے عذاب آیا ہی نہیں یا آیا تو بہت دیر سے۔ دیکھیے:

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اپنی قوم میں 950 سال رہے اور سینکڑوں سال تک ایک محدود سی قوم کو تبلیغ کرتے اور سمجھاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے مطابق اتمام حجت چند مہینوں میں نہ سہی تو چند سالوں میں ہو گیا ہوگا۔ خود ان کی قوم نے ان کی طویل حجت بازی سے تنگ آ کر کہا یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین (آپ نے ہم سے بہت حجت بازی کر لی، اگر آپ سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا ہمیں ڈراوا دیتے ہو)۔ لیکن اس کے باوجود سینکڑوں سال گذر گئے اور عذاب نازل نہ ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اور اپنے والد کو ہر طرح سے سمجھایا۔ خود قوم اور بادشاہ کو لاجواب کیا، ان کو آگ میں ڈالا گیا لیکن وہ صحیح سالم رہے۔ اس کے بعد ظاہر ہے اتمام حجت میں کوئی کسر تو نہیں رہ گئی تھی، لیکن قوم پر کوئی عذاب نازل ہوا ہو اس کی تصریح نہیں ملتی۔ حالانکہ اگر عذاب نازل ہوتا تو یہ ایک ایسا واقعہ تھا جسے خود قرآن اور تاریخ اقوام میں جگہ ضرور ملنی چاہیے تھی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ اور مضافاتی علاقوں میں ہر طرح سے تبلیغ کی اور حجت تام کر دی۔ طائف کے سرداروں نے بھی برا سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ملک الجبال (پہاڑوں پر مامور فرشتے) کو بھیجا کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو طائف والوں کو پیس کر رکھ دیں۔ (ایسا ظاہر ہے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتا ہے) لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ نہیں تو امید ہے کہ ان کی اولاد اسلام کو قبول کر لے گی۔ تیرہ سالہ مکی زندگی اور دعوت وانذار کے بعد ہجرت کا مرحلہ آیا لیکن مشرکین مکہ پر

عذاب نہیں آیا بلکہ مکہ مکرمہ سے لوگ آکر اسلام قبول کرتے رہے۔ فتح مکہ سے پہلے بھی آتے رہے اور فتح مکہ کے موقع پر بھی۔ بدر، احد اور احزاب کی جنگوں میں بھی پہل مشرکین مکہ کی طرف سے ہوئی مسلمانوں کی طرف سے نہیں۔ جنگ حنین میں بھی کافروں نے اپنے قیدی واپس مانگے تو وہ ان کو دے دیے گئے۔ حالانکہ عذاب یافتہ اقوام کی تو بقول غامدی صاحب لازماً جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ اگر مشرکین مکہ پر اتمام حجت کے بعد عذاب نازل ہوتا تو انہیں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہنے اور مسلمان ہونے کی مہلت کیوں دی جاتی۔ اسی طرح ایران وروم کی طرف مسلمانوں کے جو لشکر گئے، حالاں کہ عمار صاحب کے بقول قیصر و کسریٰ پر اتمام حجت ہو چکا تھا پھر بھی ان کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی گئی اور ان کو یہ موقع بھی دیا گیا کہ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو مسلمانوں کے باجگزار بن کر رہو۔ حالانکہ اگر ان پر عذاب نازل ہوتا تو انہیں ایک تو مسلمان ہونے کی دعوت اور مہلت نہ دی جاتی اور دوسرے ان کو زندہ رکھنے کی بجائے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیے تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انبیاء کی طرف سے اتمام حجت ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

اعلم ان اقتضاء الحکمة لبعث الرسل لا یکون الا لانحصار الخیر النسبی المعتبر فی التدبیر فی البعث و لا یعلم حقیقة ذلک الا علام الغیوب الا انا نعلم قطعاً ان هناک اسباباً لا یتخلف عنها البعث البتة و افتراض الطاعة انما یکون بان یعلم الله تعالیٰ صلاح امة من الامم ان یطیعوا الله و یعبدوه و یکونوا بحیث لا تستوجب نفوسهم التلقی من الله و یکون صلاح امرهم محصوراً یومئذ فی اتباع النبی فیقضی الله فی خظیرة القدس بوجوب اتباعه و یتقرر هناک الامر و ذلک اما بان یکون الوقت وقت ابتداء ظهور دولة و کبت الدول بها فیبعث الله تعالیٰ من یقیم دین اصحاب تلک الدولة کبعث سیدنا محمد ﷺ او یقدر الله تعالیٰ بقاء قوم و اصطفائهم علی البشر فیبعث من یقوم عوجهم و یعلمهم الکتاب کبعث سیدنا موسیٰ علیه السلام او یکون نظم ما قضی لقوم من استمرار دولة او دین یقتضی بعث مجدد کداؤد و سلیمان و جمع من انبیاء بنی اسرائیل علیهم السلام و هولاء الانبیاء قد قضی الله بنصرتهم علی اعدائهم کما قال و لقد سبقت کلمتنا لعبادناالمرسلین انهم هم المنصورون و ان جندنا لهم الغالبون و وراء هولاء قوم یبعثون لاتمام الحجة و الله اعلم. (حجۃ اللہ البالغہ: 1 /85)

قال السندی: و هولاء الانبیاء دون اولئک فی المرتبة و هم فی الحقیقة خلفاء الرسل بعثوا لاتمام الحجة علی الناس لئلا یقولوا ما جاء نا من بشیر و لا نذیر و لیس لهم وعد النصر و الغلبة فلذا قتل بعضهم و نشر بعضهم بالمنشار کزکریا علیه السلام.

''تدبیر الٰہی کے مطابق انسانیت کی خیر وفلاح چونکہ انبیاء کی بعثت میں منحصر ہوتی ہے اس لیے حکمت الٰہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ رسول بھیجے جائیں۔ اس معاملے کی مکمل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں البتہ اتنی بات تو یقین کے ساتھ ہم بھی جانتے ہیں کہ بعثت رسول کے کچھ اسباب ہیں کہ جب وہ پائے جاتے ہیں تو بعثت رسول بھی ضرور پائی جاتی ہے اور بعثت کے بعد رسول کی اطاعت

فرض ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کسی بھی امت کی خیر وصلاح اس میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کرے۔ لیکن (دوسری طرف) لوگوں میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے احکام کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست حاصل کرسکیں۔ اس لیے ان کی خیر و اصلاح اسی نبی کی اطاعت ہی میں منحصر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ حظیرۃ القدس میں نبی کی اتباع کو واجب قرار دیتے ہیں۔ انبیاء کی یہ بعثت درج ذیل مقاصد واسباب کے تحت ہوتی ہے:

(1)۔ اللہ تعالیٰ کے علم وارادہ میں وہ وقت گذشتہ سلطنتوں کے زوال اور ایک نئی سلطنت کے قیام کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بنی کو مبعوث فرماتے ہیں تا کہ وہ نئی سلطنت کے دین کو قائم کریں جیسے حضرت محمد ﷺ۔ (کہ ان کے ذریعے سے ایک نئی ملت وحکومت وجود میں آئی جو دیگر ملل وادیان پر غالب آئی)

(2)۔ اللہ تعالیٰ کے علم وارادے میں یہ طے ہوتا ہے کہ فلاں قوم کو باقی رکھا جائے اور اس کو دیگر اقوام میں سے منتخب قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان میں بنی کو مبعوث فرماتے ہیں جو ان میں موجود کجی کو دور کرتے ہیں اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

(3)۔ جو دین یا سلطنت پہلے سے موجود ہو اللہ تعالیٰ اس کو جاری رکھنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو ان میں بنی کو مبعوث فرماتے ہیں تا کہ وہ دین کی تجدید کریں جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام وغیرہ۔

مذکورہ بالا (تین قسم کے) انبیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مدد کا وعدہ دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **و لقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم ھم المنصورون و ان جندنا لھم الغالبون** (ترجمہ: اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبروں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں کہ یقینی طور پر ان کی مدد کی جائے گی اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہیں گے۔)

(4)۔ مذکورہ بالا انبیاء کے علاوہ بھی انبیاء ہوئے ہیں جو محض اتمام حجت کی خاطر بھیجے جاتے ہیں۔''

اس آخری جملے کی شرح میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا انبیاء کے مقابلے میں یہ دوسرے انبیاء درجے میں کچھ کم ہوتے ہیں اور یہ درحقیقت رسولوں کے خلفاء جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کی بعثت اس لیے ہوتی ہے کہ لوگوں پر اتمام حجت کی جاسکے تا کہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ ان انبیاء کے لیے نصرت الٰہی کا اور غلبے کا وعدہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا اور بعض کو آری سے کاٹا گیا جیسے حضرت زکریا علیہ السلام۔''

شاہ صاحب کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں ایک وہ

جنہیں اپنے منصب رسالت کی ادائیگی دنیا میں کسی ظاہری ہدف کی صورت میں کرنی ہوتی ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کے ذمے محض ابلاغ وانذار ہوتا ہے۔اول الذکر قسم کے ساتھ تو ہر قسم کی مدد اور نصرت خداوندی کا ظہور یقینی اور لازمی ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے مخالفین نے لامحالہ زیر ہونا ہوتا ہے۔(چاہے عذاب کی شکل میں یا ذلت ومغلوبیت کی صورت میں) جبکہ دوسری قسم کے انبیاء کے ساتھ ایسا وعدہ نہیں ہوتا چنانچہ ایسا نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقعہ بھی ہے کہ ان انبیاء نے اپنی طرف سے ابلاغ وانذار کا حق ادا کر دیا اور اتمام حجت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن اس کے باوجود ان کے مخالفین زیر نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خود نبی کو قتل کر دیا جیسے حضرت زکریا علیہ السلام وغیرہ کے ساتھ ہوا۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ اتمام حجت کے ساتھ مخاطبین پر عذاب کا نزول لازمی نہیں۔ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو عذاب یافتہ اقوام تو محدود ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تعداد لاکھ سے متجاوز ہے۔ظاہر ہے ہر پیغمبر نے ابلاغ وانذار اور اتمام حجت میں کوئی کسر تو نہیں اٹھا رکھی ہوگی لیکن اس کے باوجود اقوام پر عذاب نازل نہیں ہوا۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ غامدی صاحب کا 'اتمام حجت' والا فلسفہ خود اپنی ذات میں اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کے اعتبار سے ناقص ہے۔ (جاری ہے۔۔۔)

توجہ فرمائیں!

۱......استاذ محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ [سابق استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور] پر خصوصی مضامین آئندہ شائع کیے جائیں گے۔ان شاء اللہ

۲...... ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' کی جسارت سے متعلق مولانا حافظ اکبر بخاری مدظلہم کا مکتوب گرامی اور ایک مضمون بھی ان شاء اللہ آئندہ ماہ شامل اشاعت ہوگا۔

۳......وکیل احناف، شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہم کا سفرنامہ حرمین ''سوئے حجاز'' بھی ان شاء اللہ آئندہ ماہ سے شامل اشاعت ہوگا۔

۴......شاعر انقلاب، مداح صحابہ جناب انجم نیازی صاحب مدظلہم کے قلم سے عظیم مؤرخ ومحقق حضرت مولانا محمد نافع مدظلہم، اطال اللہ عمرہ کا منظوم تعارف بھی آئندہ ماہ شامل اشاعت ہوگا۔ان شاء اللہ

۵......قارئین مجلّہ ''صفدر'' سے مؤدبانہ التماس وعاجزانہ درخواست ہے کہ متوفیان کی اطلاع دس (۱۰) سے تیرہ (۱۳) انگریزی تاریخ کے درمیان دے دیا کریں۔**جزاک اللہ احسن الجزاء**

انجم نیازی

عظیم مؤرخ ومحقق، وکیل صحابہ واہل بیت، حضرت مولانا

محمد نافع مدظلہم العالی

چنیوٹ سے جھنگ جاتے ہوئے تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ''جامعہ آباد'' کے نام سے مشہور ہے، اس سے دائیں ہاتھ مڑ کر ایک پتلی سی سڑک ''محمدی شریف'' کی طرف جاتی ہے، جامعہ آباد سے محمدی شریف کا فاصلہ تقریباً تین کلومیٹر ہے۔

محمدی شریف ضلع چنیوٹ کا ایک چھوٹا سا مگر بہت اہم قصبہ ہے۔ جو علمی، روحانی اور سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں کوئی بڑا زمیندار نہیں رہتا۔ تقریباً سب کے سب کسان اور مزدور پیشہ ہیں۔ جہاں کوئی بنگلہ یا کوٹھی دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ ایک بہت خوبصورت جامع مسجد ہے۔ جو مولانا محمد ذاکر نے تعمیر کروائی تھی۔ اور انہوں نے ہی ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جو ان کی زندگی میں کامیابی سے چلتا رہا۔ بعد میں حکومت نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ یہاں ایک بہت بڑی لائبریری ہے جس میں بہت سی نایاب کتب ہیں۔ مگر ان کا مطالعہ کرنے والا کوئی نہیں۔

یہ گاؤں پہلے مولانا محمد ذاکرؒ کے والد گرامی مولانا عبدالغفور کی وجہ سے مشہور ہوا۔ جو سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا ضیاالدینؒ کے خلیفہ تھے۔ پھر اس گاؤں کی شہرت کا باعث ان کے بیٹے حضرت مولانا ذاکر بنے جو بیک وقت ایک عالم، پیر اور سیاست دان بھی تھے۔ یہ لوگوں سے ووٹ نہیں مانگتے تھے۔ بلکہ لوگ ان کو خود آ کر ووٹ دینے کی پیش کش کیا کرتے تھے۔ یہ اپنے مثالی تقوے اور پرہیزگاری کے لئے مشہور تھے، ان کے تقوے اور پرہیز گاری کی مہکاریں سارے پاکستان کے کونے کونے تک پھیل جایا کرتی تھیں۔ ان کی وجہ سے یہ گاؤں مقامی سطح سے اٹھ کر پاکستان کی سطح تک جانا پہچانا جاتا تھا۔

اب یہ گاؤں ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد نافع کے علم اور تقوے کی وجہ سے ساری دنیا میں جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ خصوصاً عرب ممالک سعودی عرب، مصر، شام، اردن، لبنان، الجزائر وغیرہ میں بہت مشہور ہے۔ ان کی تصانیف کے عربی انگریزی اور کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ جو بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور جامعات سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

کسی کو کیا پتہ تھا کہ یہاں ایک درویش پیدا ہوگا۔ جس کا سارا وزن چالیس کلو کے لگ بھگ ہوگا۔ جس کی خوراک دو چھٹانک سے زیادہ نہ ہوگی۔ جو بان سے بنی ہوئی کھردری چارپائی پر سویا کرے گا۔ چٹائی پر بیٹھے گا وہیں اپنا دربار لگائے گا۔ وہیں اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرے گا۔ تاریخ میں جھوٹے قصے کہانیوں کو صاف کرے گا۔ زہریلی جڑی بوٹیوں اور خاردار جھاڑیوں جن کو خاص مقصد کے لئے لگایا اور پالا پوسا گیا تھا اکھاڑ پھینکے گا، سینکڑوں سال تک پرورش پانے والے خودرَو پودے جواب گھنے درختوں کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ اپنے قلم کی ایک ہی ضرب سے نیست و نابود کردے گا۔ اسلامی تاریخ کے صحن میں گندگی اور غلاظت کے جو ڈھیر جمع کئے گئے تھے ان کو اکھاڑ کر باہر پھینک دے گا۔ فتنہ پردازوں کے لگائے گئے جھوٹ کے اتوار بازار کو ملیامیٹ کرکے رکھ دے گا۔ باطل کی چودہ سو سالہ منصوبہ بندی کے پرخچے اڑادے گا۔

کسی کو کیا پتہ تھا کہ کمزور جسم اور کمزور آواز والا ایک شخص بڑے بڑے فرعونوں، نمرودوں اور سامریوں کو بے بس کردے گا۔ ان کے فولادی قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ جو کام امت کے لیے بڑے بڑے امام اور بڑے بڑے مفکر نہ کر سکے یہ دبلا پتلا شخص وہی کام کر کے دکھا دیگا۔ اللہ نے شاید نہیں، یقیناً اتنا بڑا کام کرنے کے وقت اور شخص کا پہلے سے ہی انتخاب کر لیا تھا۔ تو پھر یہ کام کوئی اور کیسے کر سکتا تھا؟ یہ کام پاکستان میں ہی ہونا تھا۔

جو کام امام غزالی امام رازی اور ابن خلدون نہ کر سکے۔ وہ کام یہ دبلا پتلا شخص کر کے دکھائے گا۔ تعریف و توصیف سے بے نیاز، اجر و معاوضہ کی خواہش سے بے خبر یہ شخص محمدی شریف کی لائبریری میں ایک لکڑی کی چوکی پر صبح سے شام تک بیٹھا اور کام میں مگن دکھائی دیتا تھا۔ جس کی ساری کائنات ایک مٹی کی پیالی اور ایک سٹیل کی سادہ سی چائے دانی تھی۔ کون آرہا ہے کون جارہا ہے۔ ملک میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں ہو رہا ہے۔ اس کو نہ اس کی خبر تھی نہ خبر رکھنے کی اس کو ضرورت تھی۔ بچے کھانا کہاں سے کھا رہے ہیں بیمار ہیں یا تندرست ہیں، خوش ہیں یا ناخوش اس کی بلا جانے اسے تو صرف ایک ہی فکر تھی۔ اسے تو صرف ایک ہی کام تھا۔ کہ صحابہ کرام پر جو بہتان لگائے گئے تھے۔ ان پر جو جھوٹ کے تیر اور توپیں چلائی گئی تھیں ان کو کس طرح روکا جائے، جھوٹے الزامات کا کس طرح جواب دیا جائے اور کتنی جلدی سے دیا جائے۔ کتنا مضبوط اور کس قدر مستند دیا جائے کہ کوئی اس کو جھٹلا نہ سکے۔ جواب دینا چاہے تو جواب نہ دے سکے۔ رد کرنا چاہیے تو رد نہ کر سکے۔ بھاگنا چاہے تو بھاگ نہ سکے۔ ہضم کرنا چاہے تو ہضم نہ کر سکے۔ بھلانا چاہے تو بھلا نہ سکے۔

اللہ تعالیٰ نے نمرود جیسے بادشاہ کو شکست دینے اور رسوا کرنے کے لیے ہاتھیوں کی فوج نہیں بھیجی، کوئی فوج اور لشکر نہیں بھیجا۔ صرف ایک لنگڑے مچھر کو حکم دیا کہ اس کے ناک میں گھس جاؤ۔ اس ایک معمولی سے مچھر نے اس کے تکبر اور غرور کی بلند عمارت کو زمین بوس کر دیا۔ صحابہ کرامؓ کی عظمت کو داغ دار کرنے

والے جھوٹے مؤرخین اور نام نہاد محققین کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے دورافتادہ گاؤں میں ایک ایسے درویش کو پیدا کر دیا۔جس نے مدد کے لئے کسی دروازے پر دستک نہ دی۔کسی کو مدد کے لئے پکارا نہیں۔کسی سے مدد نہیں مانگی نہ قبول کی۔اپنے علم اور قلم سے مدد مانگی انہی کو آزمایا۔انہی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔کسی کے روکے نہ رکا۔کسی کے ڈرانے سے نہ ڈرا۔کسی کی چال میں نہ آیا،کسی کے جال میں نہ پھنسا۔دلیل کے ساتھ لڑا اور دلیل کے ساتھ جیتا۔اپنے قلم کی پے در پے ضربوں سے جھوٹ کے پہاڑوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

اس کے بات کرنے کا طریقہ اور سلیقہ ساری دنیا سے مختلف ہے۔یہ مخالفین کو للکارتا نہیں۔کسی پر طنز اور تیر اور نشتر نہیں چلاتا۔اس کا لہجہ نرم اور گفتگو میں مٹھاس ہوتی ہے وہ مخالفین سے نفرت نہیں کرتا ان سے ہمدردی کرتا ہے۔الجھاؤ کو الجھانے اور روٹھے ہوئے کو منانے کی بات کرتا ہے۔ہر اعتراض کا جواب دلیل اور مستند حوالوں سے دیتا ہے۔جس کا بطلان فریق مخالف کے بس میں نہیں ہوتا۔

ابوالاعلیٰ مودودی کی طرح قارئین پر رعب نہیں ڈالتا۔ان کو اپنی بات ماننے کا حکم نہیں دیتا۔سرتسلیم خم کرنے کے لئے نہیں کہتا۔اپنی انگریزی دانی کا رعب نہیں ڈالتا۔اپنی علمیت کا ڈھونڈورا نہیں پیٹتا۔خود کو عقل کل نہیں سمجھتا۔

مودودی کی طرح من گھڑت تاریخی روایات کے آگے سرتسلیم خم نہیں کرتا۔کسی بڑے مؤرخ کے رعب میں نہیں آتا۔بلکہ ان کا ایک عظیم محقق کی طرح جائزہ لیتا ہے۔اس کے ایک ایک لفظ اور حوالے پر غور کرتا ہے۔جرح اور تنقید کا حق استعمال کرتا ہے۔ان کو رد کرنے کے ناقابل تردید حوالے پیش کرتا ہے۔فیصلہ خود کرنے کی بجائے قارئین پر چھوڑ دیتا۔

مودودی کی طرح قارئین کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا۔ان کو جاہل اور ان پڑھ نہیں سمجھتا۔''ہم چوں ما دیگرے نیست'' کا راگ نہیں الاپتا،اپنی تحریروں میں مخالفین کی دل آزاری نہیں کرتا۔ان کو طعنے نہیں دیتا۔فتوے جاری نہیں کرتا،ان کو ''تُو'' اور ''تم'' کہہ کر مخاطب نہیں کرتا۔مخالف کو مخاطب کرتا ہے تو ''دوست''،''میرے دوست'' کہہ کر کرتا ہے۔اس کی تحریر میں تنقید کا زہر اور کڑواہٹ نہیں ہوتی،بلکہ الفاظ نرمی،مٹھاس اور ہمدردی سے لبریز ہوتے ہیں۔کوئی اس کی بات تسلیم کرے نہ کرے اس کی بات کا بُرا نہیں مناتا۔اس سے نفرت نہیں کرتا۔

یہ کسی کو تشدد پر نہیں اُکساتا،کسی کو غصہ نہیں دلاتا۔کسی کی عزت نفس مجروح نہیں کرتا۔جو بھی مؤقف پیش کرتا ہے،اس پر اچھی طرح غور کر لیتا ہے۔قابل اعتماد حوالہ جات جمع کرتا ہے۔پہلے خود کو مطمئن کرتا ہے۔پھر دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کی تحریروں میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے۔الفاظ

میں عالمانہ تکبر کی بجائے درویشانہ عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔شہرت اور لالچ سے کوسوں دور بھاگتا ہے، بے نفسی ایسی کہ ملنے والے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔اس کی بے طلبی کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ اگلی دنیا میں جنت میں اپنے عظیم خوبصورت محل کو دیکھ کر کہیں یہ نہ کہہ دے کہ میرے مالک میرے لئے تو ایک مصلیٰ ایک لکڑی کی چوکی اور لوٹا ہی کافی ہے۔میں اس بڑے محل کو کیا کروں گا۔

میرے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ شخص اپنی تعریف سے دور بھاگتا ہے۔قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اس سے مخاطب ہوگا کہ: ''محمد نافع! میرے بندے! تو نے یہ یہ نیکیاں کی ہیں'' تو اس کے جواب میں یہ ''نہ'' کہہ دے کہ: اللہ میاں! میں تو ناکارہ بندہ ہوں میں نے تو کوئی نیکی نہیں کی۔یہ اس لیے میں سوچتا ہوں کہ اس کو کسر نفس کی عادت ہے اور یہ کسرِ نفسی اتنی پختہ ہوگئی ہے کہ یہ اس کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتا۔اس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔کہ چودہ سال سے امت کا کوئی عالم، کوئی مفکر، کوئی محقق، کوئی مورخ اور کوئی مصنف نہیں کرسکا۔اس پر فخر کرنے کی بجائے عاجزی سے اس کا سر جھک جاتا ہے۔اور جھکا رہتا ہے۔لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ پھل دار شاخ شجر، پھل کے بوجھ سے جھکی رہتی ہے۔

خوش قسمت ہے وہ ماں جس نے اس کو جنم دیا۔گود میں لٹایا۔گود میں سُلایا۔کھلایا پلایا، پالا پوسا، خوش قسمت ہے وہ باپ جس نے اس کی پرورش کی۔خوش قسمت ہے وہ بھائی جس نے اس کی تربیت کی۔تعلیم دی۔اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔خوش قسمت ہے وہ استاد جس نے اس کو پڑھایا اور عالم بنایا۔اور محقق بنایا۔خوش قسمت ہے وہ عہد جس میں یہ پیدا ہوا۔خوش قسمت ہے وہ ملک جس پر اس نے تقریباً اب تک اٹھانوے سال بسر کیے جس کو اس نے قابل فخر بنایا۔خوش قسمت ہے وہ اولاد جس نے اس کے زیر سایہ تربیت پائی۔اخلاق سیکھے اور علم حاصل کیا۔میں بھی کچھ کم خوش قسمت نہیں جس نے کئی بار زیارت کا شرف حاصل کیا۔جس کو رہنمائی ملی۔اس کی گفتگو کی مٹھاس سمیٹی۔گفتگو کا سلیقہ سیکھا۔

اس نے وہ کام کیا جو کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔اس نے وہ کچھ لکھا جو کوئی نہیں لکھ سکتا تھا۔اس نے ایسی پاکیزہ زندگی بسر کی جو کوئی بسر نہیں کرسکتا تھا۔اس نے اپنوں اور غیروں کو وہ پیار دیا جو کوئی اور نہیں دے سکتا تھا۔اس نے عجز اور انکساری کا راستہ اختیار کیا جو کوئی اور اختیار نہیں کرسکتا تھا۔

اس نے جو کام کیا ہے اس کی نوعیت اور اہمیت کو دیکھا جائے تو اس پر اپنے عہد کا مجدد ہونے کا گمان گزرتا ہے، اس گمان کے درست ہونے کے کئی شواہد اور امکانات موجود ہیں۔حالات اس طرف نشاندہی کرتے ہیں میرے اس خیال کو رد کرنا شاید ممکن نہ ہو۔میں جب جھنگ میں تعینات تھا تو اکثر محمدی شریف جایا کرتا تھا۔ایک بڑی لائبریری میں ایک لکڑی کی چوکی پر ایک دبلا پتلا بزرگ بیٹھا دکھائی دیتا تھا۔ہر وقت کتب ہی میں مگن دکھائی دیتا تھا۔اس کے پاس صرف ایک لوہے کی چائے دانی ایک مٹی کی

پیالی پڑی ہوتی تھی۔بس یہی اس کی کل متاع تھی۔یہی اس کا کل اثاثہ اور کل سامان تعیش ہوا کرتا تھا۔اس سامان کو وہ نعمت غیر مترقبہ سمجھا کرتا تھا۔اس شخص کا نام محمد نافع تھا۔جسے مشرق سے مغرب تک ساری اسلامی دنیا مولانا محمد نافع مدظلہ العالیٰ کے نام نامی سے جانتی اور پہچانتی ہے۔یہ ابن خلدون سے بڑے مؤرخ اور محقق ہیں یہ کہیں دکھائی نہ دیتے تھے۔ان کے صرف دو ٹھکانے تھے۔لائبریری اور گھر کی بیٹھک۔جہاں ملنے والے حاضر خدمت ہوتے تھے۔نیاز حاصل کرتے اور گفتگو کی مٹھاس سمیٹتے اور ان کے اخلاق سے لُطف حاصل کرتے تھے۔ہر سوال کا تسلی بخش جواب پاتے تھے۔

جہاں کوئی پروٹوکول نہیں تھا۔ملنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔کسی ملاقاتی کو انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔کسی کو پیشگی وقت نہیں مانگنا پڑتا تھا۔ ملاقات کے دورانیہ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔حضرت آرام فرمارہے ہیں۔حضرت غسل فرمارہے ہیں،حضرت لباس بدل رہے ہیں،حضرت فون سن رہے ہیں،حضرت کھانا تناول فرمارہے ہیں۔حضرت لکھ رہے ہیں۔اس قسم کی باتیں سننی نہیں پڑتی تھیں۔

مَیں جب کبھی جاتا جس وقت جاتا انہیں موجود پاتا۔وہ خود چارپائی کھینچ کر بیٹھنے کے لئے کہتے، میرے جیسا معمولی آدمی ان کے حسن سلوک کی وجہ سے شرمندہ ہوجاتا۔ہزار بار منع کرتا کہ حضرت! آپ تکلف نہ فرمائیں۔ہمیں گنہگار نہ کریں مگر حضرت کب باز آنے والے تھے۔

وہ صرف میرے لئے ہی نہیں ہر کسی کے ساتھ ایسا ہی کرتے اور ایسے ہی محبت سے پیش آتے۔میں جس کسی بزرگ سے ملا ہوں بہت ہی کم سہی مگر تھوڑا بہت رکھ رکھاؤ دیکھا ہے۔یہ وہ بزرگ ہیں جن میں بڑائی کا رتی بھر شائبہ نہیں ملتا۔جب ان کی شخصیت پر غور کرنا ہوتو اقبال کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

ابوالاعلیٰ مودودی کہتا ہے کہ: ع ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' حالانکہ اس کا فرمایا ہوا کوڑا کرکٹ، غلاظت اور نجاست کا ڈھیر ہے۔اگر ایسا کہنے کا کسی کو حق ہے تو صرف اور صرف مولانا محمد نافع صاحب ہیں۔یہ دعویٰ ان کو زیب دیتا ہے۔مگر وہ کسرِ نفسی کے حصار سے باہر آئیں تو یہ دعویٰ کریں۔حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ العالیٰ سے پہلے جتنی اسلامی تاریخ موجود تھی۔وہ ساری کی ساری گندگی کا ڈھیر تھی۔جھوٹے الزامات کا پلندہ تھی۔اگر کسی کو اسلامی تاریخ کا نام دیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف وہ تاریخ ہے۔جس کو امام المؤرخین و امام المحققین مولانا محمد نافع نے عرق ریزی اور تحقیق کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔جو ''رحماء بینھم ''اور سیرت علیؓ و سیرت معاویہؓ کی شکل میں موجود ہے۔اور اعلان کررہی ہے کہ کوئی ہے جو میری کسی ایک سطر کو غلط ثابت کرسکے؟ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی۔تو ام

المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حفصہؓ، امام المظلومین سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ واہل بیتؓ عظام رضی اللہ عنہم مودودی کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر کریں گے۔ تو مودودی کے حق میں کوئی گواہی دینے والا نہ ہوگا۔ اس کی ''خلافت وملوکیت'' بطورِ فردِ جرم پیش کی جائے گی۔ اور حضرت مولانا محمد نافع کی کتابیں مودودی کے خلاف گواہی دے رہی ہوں گی۔ میں عالمِ دین نہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اگر مولانا نافع کے پاس ان کتب کے علاوہ کوئی نیکی نہ ہوتی تو یہی ان کی بخشش کے لئے کافی ہوتیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

انجم نیازی

☆......☆......☆......☆

سوانحی خاکہ

محقق اہل سنت، وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۵ء کو مولانا عبدالغفور صاحبؒ کے گھر محمدی شریف ضلع جھنگ (موجودہ ضلع چنیوٹ) میں ہوئی۔

اپنے والد گرامی سے قرآن مجید حفظ کیا، ابتدائی دینی کتب مولانا اللہ جوایا شاہ اور اپنے برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر سے پڑھیں، پھر مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار لائل پور (فیصل آباد) میں مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی اور مولانا حکیم عبدالمجید صاحب سے فصول اکبری، علم الصیغہ اور نحو میر صغریٰ وکبریٰ وغیرہ کتب پڑھیں۔

اسی دوران ''محمدی شریف'' میں آپ کے برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر صاحب نے ''دارالعلوم محمدی شریف'' کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے حضرت مولانا احمد شاہ صاحب بخاری فاضل دیوبند بطورِ صدر مدرس تشریف لائے۔ مولانا نافع صاحب واپس گھر تشریف لائے اور مقامی ''دارالعلوم'' میں اپنی تعلیم جاری رکھی۔ ہدایۃ النحو، کافیہ، الفیہ ابن مالک، شرح جامی، قدوری، ہدایہ (اولین)، ایساغوجی، مرقاۃ، شرح تہذیب اور قطبی کا کچھ حصہ پڑھا۔ اس دوران جب جامعہ ہٰذا میں مولانا قطب الدین صاحب اچھالوی تشریف لائے تو آپ نے ان سے قطبی کا بقیہ حصہ، میبذی، شرح وقایہ (اخیرین) اور مختصر المعانی وغیرہ کتب پڑھیں۔ اور مولانا شیر محمد صاحب سے نورالانوار اور شرح وقایہ (اولین) وغیرہ کتب پڑھیں۔

بعدازاں ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں جامعہ محمدی شریف میں مولانا غلام احمد صاحب لاہوری کے

مشہور شاگرد مولانا احمد بخش صاحب از موضع گدائی (ڈیرہ غازی خان) تشریف لائے تو آپ نے ان سے جلالین، شرح نخبۃ الفکر، ہدایہ (اخیرین) اور دیوان متنبّی وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کی۔مزید تعلیم کے حصول کے لیے آپ واں بھچراں ضلع میانوالی تشریف لے گئے اور قریباً سات ماہ میں مولانا غلام یاسین صاحب سے مشکوٰۃ شریف، حمد اللہ، عبد الغفور (حاشیہ شرح جامی) وغیرہ کتب پڑھیں۔اس کے بعد ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں آپ نے موضع ''انّی''، ضلع گجرات میں مشہور استاذ مولانا ولی اللہ صاحب گجراتی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور مختلف فنون کی کتب توضیح تلویح، مسلم الثبوت، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد رسالہ قطبیہ، میر زاہد امورِ عامہ، قاضی مبارک، شرح عقائد نسفی اور مطوّل وغیرہ تعلیم حاصل کی۔اور ۱۳۶۱ھ کے آخر میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث شریف معروف طریقہ سے مکمل کیا۔

اس وقت **شیخ الاسلام والمسلین، شیخ العرب والعجم** حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیل میں تھے۔چنانچہ آپ نے شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ، مولانا ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ، مفتی ریاض الدین رحمہ اللہ اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ وغیرہم اساتذہ سے دورہ حدیث شریف پڑھا۔ ۱۳۶۲ھ میں آپ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے اور ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء میں سندِ فراغ حاصل ہوئی، جس کا نمبر ۱۳۰۵۴ ہے۔دورۂ حدیث شریف سے فراغت پر ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں آپ نے اپنے آبائی علاقہ محمدی شریف کے مدرسہ ''جامعہ محمدی شریف'' میں سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔

قیامِ پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق قائم کر کے رافضیت کے خلاف کام کیا۔اس کے ساتھ ساتھ ہی تحقیقی و تصنیفی کام کی طرف متوجہ ہوئے اور تنظیم اہل سنت کے ہفت روزہ جریدہ ''الدعوۃ'' میں ''تحقیقات نافعہ'' کے عنوان سے مختلف موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔اسی دوران آپ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد شاہ صاحب بخاریؒ کے ماہنامہ ''الفاروق'' کے لیے بھی کئی مضامین مختلف موضوعات پر تحریر کیے۔

۱۹۵۳ء/۱۳۷۳ھ کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور عملی حصہ لیا اور گرفتاری پیش کی اور تین ماہ جھنگ میں اور پھر بورسٹل جیل لاہور میں گزارے۔رہائی کے بعد اپنے استاذِ مکرم مولانا احمد شاہ صاحب بخاری کے مشورہ اور ہدایات کے موافق کتاب ''رحماء بینہم'' کے موضوع پر تحقیقی کام کے لیے مواد فراہم کرنا شروع کیا۔''رحماء بینہم'' (۴ جلد) نے اپنے اچھوتے موضوع کے باعث اہل علم سے بڑی داد پائی اور عالمی شہرت حاصل کی۔اس کے بعد آپ نے مزید کئی علمی و تحقیقی کتابیں تحریر فرمائیں۔جن میں سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ، سیرت حضرت امیر معاویہؓ، بنات اربعہ، فوائد نافعہ (۲ جلد)، حدیث ثقلین، مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، اور حضرت ابو سفیان اور ان کی اہلیہ شامل ہیں۔ بشکریہ: مولانا مشتاق احمد چنیوٹی

محترم نثار معاویہ صاحب، چکوال
خادم خاص: حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

حسین یادیں

گوشۂ حیات......قائد اہل سنت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

حضرت کی پالیسی......آزمائش مانگو نہیں، آجائے تو صبر کرو۔

چکوال شہر میں بہت پُرانے جماعتی ساتھی تھے، ان کی اولاد بھی جماعت کے ساتھ بڑی سرگرمی کے ساتھ متحرک تھی، ان کے چھوٹے بیٹے کی وجہ سے محلّہ کے شیعہ لڑکوں سے جھگڑا ہوا (بعد میں معلوم ہوا کہ غلطی ان کے لڑکے کی ہی تھی جسے انہوں نے حضرت اقدس سے مخفی رکھا تھا) جھگڑا بھی صرف گالی گلوچ تک ہوا، ہمارے ساتھی صرف تین چار تھے اور شیعہ لڑکے ایک شادی کے سلسلہ میں کافی جمع تھے، ہمارے ساتھیوں نے خود بتایا کہ ہم نے انہیں کافی بُرا بھلا کہا، لیکن شیعوں نے بات مزید نہ بڑھائی اور معاملہ وقتی طور پر دَب گیا، بعد میں انہوں نے ہمارے دیگر ساتھیوں کو کہا کہ ان سے بدلہ لینا ہے حضرت اقدس نے بہت سمجھایا کہ آپ نے انہیں اتنا بُرا بھلا کہہ لیا ہے تو آپ کی بات ہی اُوپر ہے، حضرت اقدس کا طریقہ کار یہ تھا کہ ساتھیوں کو کسی آزمائش میں مبتلا ہونے سے حتی الامکان بچانے کی کوشش فرماتے، آپ کی خواہش ہوتی کہ حالات کے تحت ایسا طرز عمل اپنایا جائے کہ ساتھی کسی ابتلاء سے بچ جائیں، آپ فرمایا کرتے تھے: ''کہ مصیبت مانگنی نہیں چاہیے، کیونکہ انسان نہایت کمزور ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آجائے تو ہمت اور جوانمردی کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔'' یہ بھی آپ فرماتے تھے کہ: نوجوانوں میں ایک جوش اور جذبہ ہوتا ہے، اس کے تحت وہ کوئی بھی کام کر سکتے ہیں اور بعد کے حالات کا سامنا بھی کر سکتے ہیں، لیکن ان کے گھر والے اس جذبہ کے متحمل نہیں ہوتے، اس لیے اگر ان نوجوانوں پر کوئی آزمائش آجائے تو ان کے گھر والے بے صبری کا مظاہرہ شروع کر دیتے ہیں، اس لیے حضرت اقدس کی کوشش ہوتی تھی کہ ہر قسم کی آزمائشوں سے جماعتی احباب کو حتی الامکان بچایا جائے۔

مذکورہ بالا واقعہ کے بعد ہمارے بعض ساتھی بھی متاثرہ ساتھیوں کے ہم نوا بن گئے، وہ بھی چاہتے تھے کہ اب موقع ہاتھ آیا ہے مخالف فریق کو سبق سکھانا چاہیے، ہمارے ساتھیوں نے حضرت اقدس کو بتائے بغیر اور ان کی اجازت اور مشاورت کے بغیر مخالف فریق کے لڑکوں کو شدید زدوکوب کیا، ردعمل کے طور پر شیعوں نے ہمارے اُن ساتھیوں کے نام بھی شامل کر کے تھانے میں درخواست دے دی جو اس واقعہ میں

موجود ہی نہ تھے مذکورہ ساتھی اس کے بعد روپوش ہو گئے، حضرت اقدس کے اثر ورسوخ کی وجہ سے پولیس نے ہمارے کسی ساتھی کے گھر والوں کو تنگ نہ کیا، ڈیڑھ دو ماہ بعد واقعہ کی انکوائری ہوئی، جو بے گناہ تھے اُن کے نام پرچہ سے خارج کر دیئے گئے اور چار ساتھیوں پر مقدمہ بنا۔

حضرت اقدس کا مؤقف تھا کہ اب کوئی کمزوری نہ دکھائی جائے اور مقدمہ کا سامنا کیا جائے، لیکن اُن چار ساتھیوں کے چند دن حوالات میں رہنے سے حضرت اقدس کا خیال درست ثابت ہوا۔ حوالات میں ہر قسم کی آسائش اور سہولیات کے باوجود دو ساتھی جن کی وجہ سے یہ معاملہ ہوا تھا، کافی بددل ہو گئے، جب کہ دوسرے دو الحمدللہ بالکل ثابت قدم رہے، چند دن بعد سب ضمانت پر رہا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پڑوسی علماء (جو ''سنی شیعہ اتحاد'' کے داعی ہیں) کی خدمات حاصل کیں کہ: ہمارا آپس میں راضی نامہ کرا دیں، ان کی کوششیں رنگ لانے لگیں، شیعوں کی خواہش تھی کہ ہمارے ساتھی لوگوں کے اجتماع میں معافی مانگیں، حضرت اقدس نے اس مطالبے کو سختی سے رد فرما دیا، لیکن چونکہ صاحب معاملہ خود اس بات کو دلی طور پر قبول کر چکے تھے کہ کسی بھی طرح ہو، بس ہماری جان چھوٹ جائے، اس لیے انہوں نے اس کی حامی بھر لی۔

اُن کے پڑوسی مولانا صاحب کی کوششوں سے انہی کی مسجد میں سنی شیعہ احباب اکٹھے ہوئے، ہمارے دوسرے دو ساتھیوں کو انہوں نے یہ کہہ کر بلایا کہ: آپ صرف بیٹھے رہیں گے، آپ کو معافی مانگنے کے لیے نہیں کہا جائے گا، لیکن جب صلح کے لیے کارروائی شروع ہوئی تو اُن ساتھیوں کو پتہ چلا کہ راضی نامے کے لیے یہ طے کیا گیا تھا کہ معافی بھی مانگیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ دونوں فریق بغل گیر ہو کر بھی ملیں گے، جب یہ مرحلہ آیا تو صاحبِ معاملہ دونوں ساتھیوں نے لوگوں کے سامنے معافی بھی مانگی اور شیعوں کے ساتھ بغلگیر ہو کر یک جہتی کا اظہار بھی کیا۔ ہمارے دوسرے دو ساتھیوں سے بھی اسی طرح کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے سب کے سامنے دوٹوک الفاظ میں ایسی بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے سے انکار کر دیا اور روکنے کے باوجود وہ اس محفل سے اٹھ کر آ گئے، جس پر شیعہ گروپ نے کہا آپ نے چونکہ معافی مانگنے کا وعدہ کیا تھا، اگرچہ آپ نے معافی مانگ بھی لی ہے، لیکن دوسرے دو ساتھی بھی اس واقعہ میں ملوث ہیں، جب تک وہ بھی معافی نہ مانگیں گے، یہ صلح اور راضی نامہ نہیں ہو سکتا۔ اس وقت ان کی یہ حالت تھی......ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

دشمنانِ صحابہ سے گلے ملنا ''بے غیرتی'' کا عمل ہے۔

حضرت اقدس نے اس کمزوری کے بعد مذکورہ احباب سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت اقدس ایسی پالیسی اور رواداری کو بے غیرتی خیال فرماتے تھے، آپ کے ہاں سب غلطیاں اور خطائیں معاف ہو سکتی تھیں، لیکن اس بے غیرتی کے ساتھ دشمنانِ صحابہ سے گلے ملنا آپ کو گوارا نہ تھا۔

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

(......قسط 13......)

ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ 90 میں شائع شدہ ایک مضمون کا جواب

رب نواز صاحب نے حافظین مذکورین کے کلام پر راقم الحروف کے تبصرے کو چھپا[۸۵] کر لکھا ہے:

زبیر علی زئی صاحب کا حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی جیسی علمی شخصیت سے اختلاف کرنا حقیقت کو مسخ نہیں کر سکتا۔ (ص:۴۶)

عرض ہے کہ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ کی مذکورہ عبارات کیا قرآن[۸۶]، حدیث[۸۷] اور اجماع ہیں کہ ان سے اختلاف جائز نہیں یا اُن کے اپنے اجتہادات ہیں؟

اگر دلیل[۸۸] کے ساتھ مختلف فیہا اجتہاداتِ علماء سے اختلاف کیا جائے تو کیوں ناجائز ہے اور اس سے حقیقت کیوں کر مسخ ہو سکتی ہے؟

کیا آل دیوبند کے نزدیک خطیب وابن عبدالبر کے تمام اجتہادات صحیح ہیں[۸۹]؟

۸۵

حاشیہ نمبر ۲۷ دیکھئے ہم نے ان کے کلام کو چھپایا نہیں بلکہ آل غیر مقلدیت کے حوالہ جات کے ذریعہ اس کا رد پیش کیا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ علی زئی صاحب نے میری اس تردید وتنقید کو چھپا کر یوں: ''رب نواز دیوبندی کے اعتراضات و بیت العنکبوت کا مسکت و مدلل جواب ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' میں موجود ہے۔'' لکھ دیا، دیکھئے حاشیہ نمبر ۹۰۔۹۱ کا متن۔

اب ہم علی زئی صاحب کو بتاتے ہیں کہ کلام کو کون چھپایا کرتے ہیں۔

عبدالرؤف سندھو غیر مقلد، حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' میں درج شدہ ضعیف احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاہم اس مقام پر جو بات قابل مؤاخذہ ہے وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے بعض ایسی احادیث بھی ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خود ان کتب میں موجود ہے جن کے حوالے سے ان کو ذکر

کیا گیا، ملاحظہ ہوں درج ذیل حدیثیں: ۱۶۔۸۸۔۹۵۔۲۰۹۔۲۱۰۔۲۱۴۔۲۴۸۔۲۵۷ لیکن موصوف نے ان کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا۔'' (القول المقبول صفحہ ۱۱ طبع چہارم)

عبدالرؤف صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مؤلف نے اس حدیث میں ''راسہ......'' اور قال......'' کے درمیان درج ذیل الفاظ حذف کر دیئے ہیں ''من الرکعة الثانیه من صلوة الصبح '' جب کہ امانت علمی کا تقاضا یہ تھا کہ موصوف ان الفاظ کو حذف نہ کرتے بلکہ ذکر کرتے کیونکہ انہوں نے اس حدیث سے وتروں میں ''دعائے قنوت کا محل رکوع کے بعد ہے'' پر استدلال کیا ہے جبکہ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ حوادث نازلہ کی قنوت تھی جسے آپ ﷺ نے نماز فجر میں دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھا۔'' (القول المقبول صفحہ ۵۸۸)

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے اس طرح کا معاملہ علامہ نووی کی عبارت کے ساتھ کیا کہ اس کا شروع کا حصہ حذف کر کے قنوت نازلہ کی عبارت کو قنوت وتر پہ چسپاں کر دیا۔ (صلوۃ الرسول صفحہ ۳۶۰ حاشیہ)

اس طرح کا طرز عمل دیگر آل غیر مقلدیت کا بھی ہے مگر ہم نے حکیم صاحب اور ان کی کتاب صلوۃ الرسول سے ایسی باتوں کی نشاندہی دو وجوہ سے کی ہے۔

۱......صلوۃ الرسول ان کے حلقہ کی مقبول ترین کتاب ہے لکھا ہے ''اس کتاب سے کوئی بھی محبّ سنت گھر خالی نہیں ہے اسے پاک و ہند میں یکساں طور پر شرفِ قبولیت حاصل ہوا ہے۔''

(القول المقبول صفحہ ۱۰)

۲......زبیر علی زئی صاحب نے کسی دور میں لکھا تھا کہ

''یہ حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں مولانا صادق سیالکوٹی کی کتابیں مسلک کے فروغ کے لیے نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا یہ صدقہ جاریہ قیامت تک باقی رہے گا......ان کی کتابوں میں ایک شہرہ آفاق کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' ہے۔'' (تخریج صلوۃ الرسول صفحہ ۱۸۔ ۱۴۱۹ھ)

۸۶

نہ آپ کی عبارات قرآن وحدیث اور اجماع ہیں اور نہ ہی ان کی، مگر دونوں میں نمایاں فرق ہے کہ آپ کی عبارت قرآن وحدیث کے خلاف ہے جبکہ ان کی بات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

آپ نے لکھا کہ مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں، اتباع ہے پھر اتباع اور تقلید میں فرق یہ بتایا ہے۔

''اگر بلا دلیل ہو تو تقلید ہے اور اگر با دلیل ہو تو اقتداء و اتباع ہے'' (دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۵۲)

قرآن میں ہے کہ:اتبعوا امر کل جبار عنید۔ انہوں (قوم عاد) نے ہر سرکش نافرمان کا اتباع کیا'' (ھود آیت ۵۹)

''اتبعو الشھوات۔انہوں نے شہوتوں کا اتباع کیا'' (مریم آیت ۵۹)

''فاتبعوا امر فرعون۔انہوں نے فرعون کے حکم کی اتباع کی'' (ھود آیت ۹۷)

''اتبعوا الباطل۔انہوں نے باطل کی اتباع کی'' (محمد آیت ۳)

''ان یتبعون الا لظن۔وہ ظن (اٹکل پچو) ہی کی اتباع کرتے ہیں'' (النجم آیت ۲۸)

ان سب آیتوں میں بے دلیل بلکہ خلاف دلیل پیروی پر اتباع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ورنہ علی زئی صاحب بتائیں سرکش و نافرمان، شہوتوں، فرعون اور باطل کی پیروی پر کونسی دلیل ہے؟

قرآن میں اتباع کرنے والوں کو کئی مقامات پر بے دلیل کہا ہے مثلاً

"بل اتبع الذین ظلموا اھوآء ھم بغیر علم ۔ بلکہ ظالموں نے اپنی خواہشات کا اتباع کیا بغیر علم کے'' (الروم آیت ۲۹)

ظالموں کا اتباع کرنا بغیر علم یعنی بغیر دلیل کے تھا۔مزید دیکھئے مجلّہ صفدر شمارہ نمبر ۸ صفحہ ۳۸ تا ۴۰۔

علی زئی صاحب کا لفظ ''اقتداء کو بھی با دلیل پیروی کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہے۔پیغمبروں کی تعلیم وتبلیغ کے وقت لوگ کہا کرتے تھے:انا وجد نا آبآء نا علی امۃ وانا علی آثار ھم مقتدون۔ (زخرف آیت ۲۳)

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔'' (ترجمہ جونا گڑھی)

اس آیت میں ''مـــقتـــدون'' اقتداء سے مشتق ہے مگر تھے وہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل پیروی کرنے والے۔اس آیت سے آل غیر مقلدیت نے تقلید کی مذمت اخذ کی ہے، دیکھئے تفسیری حواشی صفحہ ۱۳۸۲ صلاح الدین یوسف، تنقید سدید صفحہ ۲۰۹۔

قرآن کی طرح حدیث میں بھی لفظ اتباع بے دلیل بلکہ خلاف دلیل پیروی پر استعمال ہوا۔ بخاری ومسلم میں حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لتتبعـن سنن الذین من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو دخلوا فی حجر ضب لا تبعتـمـو ھم قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاری قال فمن۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۱۔ مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۹ واللفظ للثانی) البتہ تم ضرور پہلی امتوں کے طریقے کا بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے

اتباع کرو گے حتیٰ کہ وہ اگر گوہ کی بل میں داخل ہوئے ہوں تب بھی تم ان کا اتباع کرو گے ہم (صحابہ) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول پہلے لوگوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا اور کون ہیں؟''

بخاری و مسلم کی اس حدیث میں یہود و نصاری کی پیروی پر ''اتباع'' کا لفظ بولا گیا ہے حالانکہ ان کی پیروی نہ صرف بے دلیل ہے بلکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہیں لہٰذا علی زئی صاحب کا کہنا کہ اگر بادلیل پیروی ہو تو اتباع کہتے ہیں یہ بات علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بخاری و مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں اگرچہ اتباع کا لفظ ہے مگر آل غیر مقلدیت اس مقام پر اتباع کی تشریح ''تقلید'' سے کرتے ہیں مثلاً دیکھیئے، شرح بخاری داود راز جلد ۴ صفحہ ۲۳۷۔ شرح مسلم وحید الزمان جلد ۶ صفحہ ۲۷۱۔

۸۷

آپ قرآن، حدیث اور اجماع کے کس قدر پیرو ہیں یہ ہر اس شخص کو بخوبی معلوم ہوگا جس نے بھی غیر مقلدیت کا مطالعہ کیا ہے ہم اس کی تھوڑی سی جھلک دکھائے چلتے ہیں۔

آلِ غیر مقلدیت قرآن کی کسوٹی پر

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''واذاقیل لھم تعالوا الی ماانزل الله والی الرسول جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ اور رسول کی طرف، قرآن و حدیث کی طرف، ورأیت المنافقین یصدون عنك صدودا تو وہ جو منافق ہوگا ڈٹ جائے گا اور اب اللہ نے سمجھ دی ہے غور کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں یہ آیت تو اہلحدیثوں پر بھی فٹ آتی ہے۔'' (خطبات بہاولپوری صفحہ ۸۵ جلد ۳)

مزید دیکھئے، خطبات بہاولپوری جلد ۳ صفحہ ۴۱۷، رسائل بہاولپوری صفحہ ۵۶۹۔ ۵۸۲۔ ۵۸۴۔ ۵۹۸۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔

ڈاکٹر عطاء محسن صاحب غیر مقلد اپنی جماعت کے ایک بزرگ کے سودی فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری حالت یہ ہے کہ اپنی فقہی موشگافیوں سے قرآن وسنت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔''

(فتاوٰی ثنائیہ مدنیہ جلد ۱ صفحہ ۶۵۶)

ثناء اللہ مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''قرآن و حدیث کے علاوہ انہیں (اہلحدیث کو) لفظ ''فقہ'' سے چڑ ہے، حالانکہ لفظ ''فقہ'' قرآن و حدیث دونوں میں اچھے مفہوم میں بھی وارد ہوا ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ من یرد اللہ بہ

خیرا یفقه فی الدین یعنی جس کے ساتھ اللہ بھلائی چاہے اسے دین کی فقاہت عطاء کرتا ہے''

(فتاوٰی ثنائیہ مدنیہ جلد ا صفحہ ۲۶۱)

غیر مقلدین کے پرچہ ''الاعتصام'' میں جمعیت اہلحدیث کی مجلس عاملہ کے رکن محمد حنیف ندوی کی کتاب ''مسئلہ اجتہاد'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''اسی موضوع پر ادارہ ثقافت نے ''مسئلہ اجتہاد'' مستقل کتاب بھی شائع کی ، جس میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تبدیلی احوال کی بناء پر ''اجتہاد جدید'' کی درانتی سے قرآن وحدیث کے ہر صریح حکم (نص) کو کاٹا جاسکتا ہے۔'' (الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۲۷۷)

حنیف ندوی صاحب کے ایک مضمون پر یوں تبصرہ مذکور ہے:

''فرمایا گیا ہے کہ: مسئلہ وراثت اور عورتوں سے متعلقہ قرآن وحدیث کے صریح احکام تک کو آج کے ارتقائی دور میں تبدیل کر دینے کی ضرورت ہے۔'' (حوالہ مذکورہ)

ندوی مذکور کو ''متکلم اسلام'' کہا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۵۱)

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن وحدیث سے اجماع امت کا حجت ہونا ثابت ہے'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۵)

لیکن ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے صاف اقرار کیا ہے کہ:

''بہت سے اہلحدیث ایسے ہیں جو اجماع کے قائل نہیں'' (اہلحدیث امرتسر ۱۱ جون ۱۹۱۵ء)

عبدالقادر حصاروی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اجماع کی کوئی سند شرع میں نہیں'' (اصلی اہل سنت کی پہچان صفحہ ۱۵۸)

صحیفہ اہلحدیث ۱۶ جمادی الثانی ۸۴ھ ، مسئلہ اجتہاد صفحہ ۱۳۰۔ مکالمات نور پوری صفحہ ۸۵۔ تنقید سدید صفحہ ۲۶۱ وغیرہ کتب میں غیر مقلدین نے اجماع کی حجیت کا انکار کیا یا اسے غیر اہم قرار دیا ہے۔ تنزیل صدیقی غیر مقلد نے ''علمائے اہلحدیث سے گذارشات'' عنوان قائم کر کے جو گذارشات کی ہیں ان میں ایک گذارش یہ ہے: ''قرآن وحدیث سے متعلق اپنی لن ترانیاں چھوڑ دیں'' (احناف کی تاریخی غلطیاں صفحہ ۱۴۷)

عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سود کی حرمت قرآن وحدیث میں مشاہدہ کی جائے اور اس کے متعلق جو وعید اور تشدد وارد ہے دیکھا جائے تو مومن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب مجتہد امرتسری (غیر مقلد) محض قیاس سے لوگوں کو ضرورت کے وقت جائز ہونے کا فتوی دے رہے ہیں۔''

(مظالم روپڑی صفحہ ۳۲ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

ہم پہلے حاشیہ نمبر ۴۵ میں ''الاربعین صفحہ ۵'' کے حوالے سے عبارت نقل کر آئے ہیں کہ ثناء اللہ امرتسری صاحب نے بہت سے قرآنی عقائد کا انکار کیا ہے۔

قرآن میں توحید کا پرچار اور شرک کی مذمت ہے لیکن آل غیر مقلدیت کا عقیدہ توحید صحیح نہیں۔ (خطبات بہاولپوری جلد ۱ صفحہ ۳۲۷) اور ان کی کتابوں میں شرک بھی بکثرت ملتا ہے۔ دیکھیے رسائل اہلحدیث وغیرہ۔

قرآن میں اطاعت نبوی کی تاکید کی گئی ہے لیکن غیر مقلدین میں ''اطاعت نبوی'' کا جذبہ کیسا ہے وہ اگلے عنوان کے تحت آرہا ہے۔

حاشیہ نمبر ۸۷ میں ہم نقل کر آئے ہیں کہ غیر مقلدین قرآن وحدیث کے خلاف اپنے بزرگوں کی پیروی کیا کرتے ہیں۔

آلِ غیر مقلدیت حدیث کی کسوٹی پر

اب ذرا غیر مقلدین کے عمل بالحدیث والے دعوی کی حقیقت کو پرکھیے۔

زبیر علی زئی اپنی جماعت کے ''امام المحدثین'' البانی کے متعلق لکھتے ہیں:

''شیخ البانی نے ابوقلابہ کی معنعن حدیث پر ہاتھ صاف کر لیا'' (علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۳۱۷)

ہم حاشیہ نمبر ۷ میں علی زئی اور ابو الا شبال شاغف کی عبارات علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۳۱۷۔ مقالات شاغف صفحہ ۲۶۷ سے نقل کر چکے ہیں کہ البانی صاحب حدیثوں کے قبول کرنے میں من مانی کرتے ہیں۔

سلطان محمود جلالپوری غیر مقلد، حافظ سعید صاحب کی جہادی تنظیم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج تک دینی علوم کو ختم کرنے کے لیے جتنی تحریکیں چلی ہیں یہ تنظیم ان سب سے زیادہ مہلک ہے اور طلبائے حدیث کو ان کے اصل مشن سے ہٹا کر جہاد کے نام پر آوارہ بنا دیتی ہے وہ نہ علوم حدیث کے رہتے ہیں اور نہ گھر کے۔'' (مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری صفحہ ۱۱۷)

محمد رفیق اثری غیر مقلد، مذکورہ جہادی تنظیم کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس تنظیم کے مرکزی قائدین نے اپنی تقریروں میں تدریس حدیث حتی کہ صحیح بخاری کی تعلیم اور محدثین کی زندگی کی کاوشوں کا نام لے لے کر ان کو تضحیک وتردید کا نشانہ بنایا'' (مولانا سلطان محمود صفحہ ۱۱۷)

اثری صاحب ہی لکھتے ہیں:

''یہ ہماری ہی جہادی تنظیم ہے جس نے استیصال تعلیم کتاب وسنت اور نتیجۂ فروغ جہالت کو اپنے

جہاد کا مقصد بنالیا ہے۔'' (مولانا سلطان محمود صفحہ ۱۱۸)

اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہلحدیث نے بھی حدیث کی طرف بے توجہی کی ہے وہ تقریباً اسے ایک رسم کے طور پر کر رہے ہیں استنباط اور اجتہاد کے نقطہ نظر سے نہیں کرتے، نہ تفقہ کی کوشش کرتے ہیں۔'' (تحریک آزادی فکر صفحہ ۱۱۱)

ابولبابہ محمدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اب ہم اہلحدیثوں کو ضد چھوڑ کر حدیث رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہو جاتی ہے کو مان لینا چاہیے اور انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔''

(امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے وہ رکعت ہو جاتی ہے صفحہ ۱)

عبدالجلیل سامرودی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام (ثناء اللہ امرتسری، ناقل) نے متعدد جگہ مفسرین، محدثین اور احادیث صریحہ کو ترک کرتے ہوئے نیچرل، جہمیہ، معتزلہ، روافض کے مسلک کو اخذ کیا ہے۔''

(صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ صفحہ ۱۹)

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''فیض عالم صدیقی (غیر مقلد، ناقل) وغیرہ جب کسی ثقہ راوی کی صحیح حدیث اپنی خواہشات نفسانیہ کے خلاف پاتے ہیں تو جھٹ اسے شیعہ کہہ کر اس کی حدیث سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں''
(علمی مقالات جلد ۱ صفحہ ۹۳)

امام اہلحدیث وحیدالزمان صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ ......حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے'' (لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۹۱ مادہ شعف)

مزید حوالہ جات ہم اپنی کتاب ''غیر مقلدین قرآن وحدیث کی کسوٹی پر'' میں درج کریں گے، ان شاء اللہ۔

غیر مقلدین اجماع کی کسوٹی پر

بہت سے اہلحدیث ہیں جو اجماع کی حجیت کے قائل نہیں دیکھئے حاشیہ نمبر ۹۔

حنیف ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بسا اوقات اجماع کی خلاف ورزی صحیح اور صحت مند بھی ہو سکتی ہے'' (مسئلہ اجتہاد صفحہ ۱۳۰)

ندوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''فقہائے مذاہب اربعہ اور ابن تیمیہ کے ان دلائل پر جب غور کیا جاتا ہے۔ جو اس خصوص میں دونوں طرف سے پیش کیے گئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حق ابن تیمیہ کے ساتھ ہے اور اجماع ان بزرگوں کے ساتھ۔'' (مسئلہ اجتہاد صفحہ ۱۳۰)

سعید احمد یوسف زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دینی امور معاملات و مسائل میں رہنمائی صرف کتاب وسنت ہی سے حاصل کرنی چاہیے لیکن اگر انہیں چھوڑ کر یا ان کے ساتھ کسی دوسری، تیسری اور چوتھی شئی کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس میں سوائے گمراہی کے کچھ اور نہیں مل سکے گا......لیکن جو اجتہاد کتاب وسنت کی بجائے رائے، قیاس، مشاورت اور اجماع اہل خیر اجماع ائمہ یا اجماع امت وغیرہ کی روشنی میں کیا جائے گا وہ تمام اہل ایمان کے لیے حجت قطعیہ اور دلیل قطعی ہرگز نہیں ہے۔'' (صحیفہ اہلحدیث کراچی ۱۷۔اگست ۱۹۹۶ء صفحہ ۲۰)

اس عبارت میں یوسف زئی صاحب نے پہلے نام لیے بغیر اجماع کی پیروی کو گمراہی قرار دیا پھر صراحۃً اس کی حجیت کا انکار کر دیا ہے۔

اب چند اجماعی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں جنہیں آل غیر مقلدیت نہیں مانتے۔

۱......زبیر علی زئی صاحب نے عورتوں کے لیے سونا پہننے کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا پھر لکھا:

''تنبیہ: اس بارے میں شیخ البانی کا موقف (اجماع کے معارض ہونے کی وجہ سے) باطل و مردود ہے اور عقل مند کے لیے اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔'' (الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۳۳)

۲......علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔

''امام ترمذی کے دور میں اس پر اجماع تھا کہ بچے، بچی کی ولادت پر اذان کہنی چاہیے۔''

(الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۴۶)

لیکن اس کے برعکس مبشر ربانی صاحب غیر مقلد نے اس مسئلہ پر اکیس صفحات پر مشتمل بحث کی اور آخر میں لکھا:

''نومولود کے کان میں اذان کہنے کے بارے میں کوئی مرفوع صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔''

(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۳ صفحہ ۵۱۵)

کیا اجماع سندی ضُعف ختم نہیں کر سکتا یا ربانی صاحب اس اجماع کے منکر ہیں؟

۳......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اس پر اہل سنت کا اجماع ہے کہ رمضان میں پورا مہینہ عشاء کی نماز کے بعد نماز تراویح با جماعت پڑھنا جائز اور باعث ثواب ہے'' (الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۴۷)

لیکن اس کے برعکس عبدالرحمٰن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''رمضان کا پورا مہینہ نماز تراویح کا التزام دراصل مسلمانوں کا اپنا پیدا کردہ ہے خصوصا حفاظ کرام کو یہ لالچ ہوتا ہے کہ اس طرح وہ پورا قرآن التزام کے ساتھ سنا سکتے ہیں حضرت عمرؓ کا قطعا یہ حکم نہ تھا کہ بلاناغہ پورا رمضان تراویح کی جماعت ہوا کرے پھر حضرت عمرؓ کے اس حکم پر صحابہ کا اجماع بھی نہ ہوا حتی کہ خود حضرت عمرؓ بھی اس میں شامل نہ ہوتے تھے۔''

(آئینہ پرویزیت حصہ پنجم صفحہ ۸۲۴ بحوالہ نماز تراویح اور مذاہب اہلحدیث صفحہ ۱۶۹)

امیر یمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''والمحافظة علیها هو الذی نقول انه بدعة۔ تراویح کی جماعت کو باقاعدگی سے ادا کرنے کو ہم بدعت کہتے ہیں۔'' (سبل السلام جلد ۲ صفحہ ۱۱)

۴۔۵۔۶......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''بہت سے ایسے مسائل ہیں جو قرآن وحدیث میں عموماً یا اشارۃً مذکور ہیں اور ان پر اجماع ہے، مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے، سیدہ مریم علیہا السلام کا کوئی شوہر نہیں تھا بلکہ وہ کنواری تھیں......مال تجارت پر ہر سال زکوۃ فرض ہے۔'' (الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۴۹)

لیکن اس کے برعکس عنایت اللہ اثری غیر مقلد نے مستقل کتاب ''عیون زمزم فی میلاد عیسی بن مریم'' لکھی جس میں یہ دعوی کیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے باپ/سیدۃ مریم علیہا السلام کے خاوند تھے۔

(عیون زمزم صفحہ ۴۰ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد دوم)

اسی طرح متعدد غیر مقلد علماء ہیں جو کہتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوۃ فرض نہیں ہے، مثلاً وحید الزمان صاحب۔ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۔ کنز الحقائق صفحہ ۴۳)

خلاصہ کلام:

آل غیر مقلدیت کی مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ جب وہ نہ ماننے پر آئیں تو قرآن، حدیث اور اجماع کو بھی نہیں مانتے۔ علی زئی صاحب کہتے ہیں: مذکورہ عبارات کیا قرآن، حدیث اور اجماع ہیں کہ ان سے اختلاف جائز نہیں؟'' (الحدیث شمارہ نمبر ۹۰ صفحہ ۳۳)

عرض ہے آپ قرآن وحدیث اور اجماع کو جس قدر مانتے ہیں اس کی تھوڑی سی جھلک اوپر مذکور

ہو چکی ہے، خود علی زئی صاحب بھی لگے ہاتھوں قرآن وحدیث اور اجماع کی بات گول کر جاتے ہیں، مثلاً انہوں نے دعوی کیا ہے کہ بے دلیل پیروی کو تقلید اور با دلیل پیروی کو اتباع کہتے ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث میں بے دلیل پیروی کو بھی اتباع کہا گیا ہے: مثلاً اتبعو اامر فرعون۔(قرآن)

لتتبعن سنن الذين من قبلكم۔تم ضرور بالضرور پہلے لوگ یہود ونصاری کی اتباع کروگے (بخاری ومسلم) تفصیل کے لیے دیکھئے حاشیہ نمبر ۸۶۔اسی طرح غیر مقلد علماء کو اعتراف ہے کہ بھینس کی قربانی کے جواز پر اجماع ہے۔(بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۲-۲۳-۷۳-۱۱۹-۱۲۰-۱۴۳-۲۱۸)

لیکن علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''بہتر یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے۔''(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۸۲)

علی زئی صاحب! جب آپ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف اپنی بات پر اڑ جاتے ہو تو آپ کے اس کلام کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ خطیب بغدادی اور ابن عبدالبر کی عبارات قرآن وحدیث اور اجماع ہیں؟ کہ ان سے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔

۸۸

مگر آپ کی بات تو خلاف دلیل ہے کہ آپ بے دلیل پیروی کو تقلید اور با دلیل پیروی کو اتباع کہتے ہیں، جبکہ قرآن وحدیث میں بے دلیل بلکہ خلاف دلیل پیروی پر بھی اتباع کا لفظ بولا گیا ہے دیکھئے حاشیہ نمبر ۸۶۔

۸۹

ہمارے نزدیک نہ خطیب وغیرہ کے تمام اجتہادات صحیح ہیں اور نہ ہی غیر مقلدین کی سب باتیں۔ مگر زیر بحث مسئلہ میں آپ کی بات کو ہم نے اس لیے رد کیا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے جبکہ خطیب وابن عبدالبر کی یہ بات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے، دیکھئے حاشیہ نمبر ۸۶۔

(جاری ہے۔۔۔)

باطل نظام کی نحوست

لیکن آج حالات ایسے ہیں کہ اس باطل قانون کی وجہ سے کوئی سچی گواہی نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی جرأت کر کے صحیح گواہی دے تو اس کی جان خطرے میں ہوتی ہے۔ یہ سب نحوستیں اسلامی نظام نافذ نہ ہونے کی ہیں۔ اگر پاکستان میں اسلامی قانون ہوتا تو اب تک پاکستانی لوگ فرشتہ صفت ہوتے۔ مگر خدا بیڑہ غرق کرے حکمران طبقے کا، شروع سے لے کر اب تک جتنے بھی آئے ہیں کسی نے بھی اسلام نافذ نہیں کیا اور نہ ہی آئندہ کوئی امید ہے۔(ذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۹۵)

مولانا احسن خدامی

تذکرۃ العطاء

صفحات: ۴۰۰......مرتب: مولانا زین العابدین......رابطہ: زم زم پبلشرز، کراچی 0321-8204773

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے مختصر عرصہ میں اس قدر گہرے صدمات سہے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے فرمان "اشد الناس بلاء الانبیاء، ثم الامثل فالامثل" کے تحت اس مدرسے کی عند اللہ قبولیت پر یقین پختہ سے پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بہت سے نادر و نایاب ہیروں اور جواہرات کو کھونے کے بعد اب کے اس مدرسے نے تقدیر الٰہی سے اپنے جس قابل فخر فرزند کی جدائی کا صدمہ سہا ہے اس شخصیت کا نامِ نامی حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمہ اللہ ہے جو کراچی سے اسلام آباد تشریف لاتے ہوئے بھوجا ائیر لائن کے فضائی حادثے میں شہید ہوئے اور ایسی قابلِ رشک موت پائی کہ فضاء میں کرچی کرچی ہونے والے طیارے کے مسافروں کے اجسام کے ٹکڑوں کو جب زمین کے وجود پر چنا گیا تو حضرت کی لاش مبارک نہ صرف سالم تھی بلکہ اس کیفیت میں تھی کہ دونوں ہاتھ نماز کی سی کیفیت میں سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ آپ کے حادثاتی طور پر اچانک داغِ مفارقت دے جانے کے بعد آپ کے تلامذہ، احباب اور رفقائے کار نے آپ کی یادوں، باتوں کو جمع کر کے غم غلط کرنے اور اخلاف کے لئے اسلاف کے قابلِ فخر نقوش کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا تو "تذکرۃ العطاء" وجود میں آ گئی۔

"تذکرۃ العطاء" میرے ہاتھوں میں ہے اور میں اسے پڑھتے ہوئے بار بار اس سوچ میں گم ہو جاتا ہوں کہ بعض لوگ بہت عظیم ہونے کے باوجود کس طرح اپنی عظمت کو چھپانے میں کامیاب رہتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ اپنی دنائت پر پردہ ڈال کر اپنے آپ کو ایک مشہور شخصیت باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک طرف قاری ان کے علمی تبحر، ادبی شخصیت، تدریسی مہارت، انتظامی سلیقہ، بے مثال و محیر العقول حافظہ، مختلف زبانوں کے ہزاروں اشعار و ضرب الامثال پر دسترس اور طلبہ کرام کے ساتھ عدیم النظیر شفقت و محبت اور ہمدردی کے واقعات پڑھ کر حیران ہوتا ہے تو دوسری طرف ان تمام خوبیوں کے باوجود ان کی تواضع، بے نفسی، اکابر اہل السنّت والجماعت اکابرِ دیوبند پر بے مثال اعتماد، اخلاص و تقویٰ کے واقعات پڑھ کر تعجب میں گم ہو جاتا ہے کہ اس ایک انسان میں اللہ جل شانہ نے کس قدر خوبیاں جمع فرما دی تھیں۔ عربی، اردو، فارسی اور پشتو کے ہزاروں اشعار بر زبان یاد رکھنے، کسی شخص کو ایک سرسری نظر دیکھ کر برسوں بعد اسے پہچان

لینے، جائزے کا امتحان دینے کیلئے آئے ہوئے سینکڑوں امیدواروں میں جعلی سند لے کر آنے والے کی شکل دیکھ کر اس کے جعلساز ہونے کا اندازہ لگا لینے، اور علوم حدیث و تفسیر کا بحرِ ذخار ہونے والے اس عبقری شخص کے اکابر پر اعتماد اور ان کی ''اندھی تقلید'' کا کیا عالم تھا، مولانا مفتی راشد ابوبکر صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''ایک مرتبہ حرمین کے سفر میں ایک بہت ہی تعلق والے شاگرد کے ساتھ مسجد حرام سے نکل رہے تھے اور اس نے حضرت کے جوتے بھی اٹھائے ہوئے تھے، اور کسی مسئلے پر بات چل رہی تھی، وہ شاگرد اس مسئلے میں اکابر کی تحقیق کے خلاف کسی متجدد کے افکار سے متاثر تھا، اثنائے گفتگو میں حضرت نے اس سے کہا کہ ہمارے اکابر کی اس مسئلہ میں یہ رائے نہیں، اس پر اس شاگرد نے اس متجدد کے دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ پھر ان کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کے اس جواب پر حضرت باوجود بہت زیادہ شفیق ہونے کے اس قدر برہم ہوئے کہ اس سے اپنا جوتا بھی لے لیا اور تعلق بھی ختم کر دیا''۔ (ص۲۲۰)

مولانا ولی اللہ صاحب فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن آپ کے ایک ملفوظ کو نقل فرماتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے اکابر پر اعتماد کرو، جس کو اکابر پر اعتماد کا شرف حاصل ہو جائے، وہ کبھی راہِ راست سے نہیں بھٹکے گا۔'' (ص ۲۳۷)

روشن خیالی کی مخمور فضاؤں میں اونچی اڑانیں بھرنے والوں کو ان کی یہ باتیں شائد عجیب سی لگیں لیکن کاش کہ وہ مجھے اس سوال کا جواب عنایت فرما دیں کہ حضرت بنوری، حضرت لدھیانوی، حضرت جلالپوری، حضرت شیخ سرفراز خان صفدر جیسے لوگ ''تنگ نظروں'' کے اس قبیلے میں ہی کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ برادرانِ روشن خیالان کے قیمتی نصائح بجا، لیکن کیا وہ اپنے گروہ میں ہمارے ان اکابر جیسی علم و عمل کی جامع، تقوی و تواضع، اخلاص و انکساری اور محبت و الفت کی پیکر کوئی شخصیت دکھا سکتے ہیں؟

حضرت شہیدؒ کی جرأت و بہادری اور وفاداری کی ایک جھلک دیکھئے! مفتی کامران اجمل روایت کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ مولانا عرفان شہیدؒ (حضرت کے خادمِ خاص اور راہِ شہادت کے ہم سفر) پر ڈاکو نے پستول رکھی اور موٹر سائیکل چھیننے کا ارادہ کیا، استادِ محترم نے دیکھا تو فوراً اس ڈاکو پر جھپٹ پڑے، آپ کو منع بھی کیا گیا لیکن استاد جی پیچھے نہ ہٹے، اس شخص نے پستول استاد جی کی طرف پھیر کر ٹریگر کو دبایا بھی، لیکن گولی نہ چل سکی، غرض وفاداری میں اپنی زندگی بچانے کی بجائے اپنے ساتھی کا ساتھ دیا، اگرچہ موت بالکل سامنے تھی۔'' (ص ۲۸۴)

مولانا سید عدنان کاکاخیل لکھتے ہیں:

''آج بھی یاد آتا ہے کہ جب وہ دارالحدیث میں پہلی مرتبہ مسلم شریف کا سبق پڑھانے تشریف

لائے تو مسندِ حدیث پر تشریف رکھتے ہی اتنا پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ساری جماعت آبدیدہ ہوگئی، پھر جامعہ کی اس فقید المثال، عظیم الشان مسندِ حدیث کے گذشتہ مسند نشینوں کو یاد کر کے روئے اور اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا بڑی بے بسی سے اظہار کیا۔" (ص ۱۴۵)

مولانا محمد سفیان بلند نے حضرت شہید کے ملفوظات کو جمع فرمایا ہے، چند ایک آپ بھی ملاحظہ کیجئے! فرماتے ہیں:

"حدیث کے لفظ قرنی میں ایک لطیفہ ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ملتا ہے، چاروں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کے آخر کا حرف اس میں ہے، "ق" سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، "ر" سے عمرؓ، "ن" سے عثمانؓ، "ی" سے علیؓ مراد ہیں۔" (ص ۳۴۱)

"میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ "وحدت ادیان" کے نام سے ایک فتنہ آرہا ہے، اور وہ کہیں گے کہ سارے ادیان سے مقصود اللہ تک پہنچنا ہے، چاہے چرچ سے ہو، معبد سے ہو، مندر سے ہو، مسجد سے ہو، واقعتاً یہ فتنہ آرہا ہے۔" (ص ۳۳۵)

حضرت شہید کی بذلہ سنجی کا ایک انداز دیکھئے! ایک مرتبہ دوران سبق فرمایا:

"یہ نئی بات ہے اور ہر نئی بات "کل جدود لذوذ" کے تحت بیان کی جاتی ہے، ایک شاگرد نے کہا کہ استاد جی! یہ جملہ تو "کل جدید لذیذ" ہے۔ کہنے لگے کہ یہ جملہ بھی پرانا ہوگیا ہے، اس میں بھی جدت آنی چاہئے" (ص ۳۳۶)

مولانا شفیع چترالی صاحب ان کی تواضع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ شہرت سے بہت دور بھاگتے تھے، مجھے خاص طور پر تاکید کی ہوئی تھی کہ جامعہ کے پروگراموں کے حوالے سے میرے نام کی تشہیر بالکل نہ کی جائے، ایک آدھ دفعہ ان کا نام غلطی سے آیا تو ناراض ہوگئے، وہ جامعہ کے ناظمِ تعلیمات ہونے کی حیثیت سے بہت سی مراعات کے مستحق تھے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ جامعہ کی کسی شاخ کا معائنہ کرنے جاتے تو کسی طالبِ علم کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر چلے جاتے۔ نماز پڑھانے کیلئے بھی اکثر بسوں میں گرومندر سے صدر جاتے رہے۔" (ص ۱۳۹)

مولانا انعام اللہ صاحب حفظہ اللہ جو حضرت شہید کے ساتھی تھے، ان کا تفصیلی مضمون گویا اس کتاب کی روح اور اس کی جان ہے، جب وہ دردناک انداز میں حضرت کی شہادت، لاشوں کی تلاش، دریافت، اور پھر تدفین وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو خود بھی روتے ہیں اور قاری کو بھی رلاتے ہیں، حضرت کے خادم خاص، رفیقِ سفر اور وفادار، جانثار شاگرد اور موت تک آپ کا ساتھ نبھانے والے مولانا عرفان صاحب شہیدؒ کے تذکرے آپ کے تذکروں کے ساتھ جابجا اس طرح بکھرے نظر آتے ہیں جیسے پھول اور خوشبو ہمیشہ ایک ساتھ ہوتے اور ایک دوسرے کے بغیر ادھورے لگتے ہیں، جناب مفتی طلحہ منیر صاحب نے

عجیب پیرائے میں اس تعلق کو اپنے الفاظ میں بیان کرنا چاہا ہے، فرماتے ہیں:

''کہتے ہوئے تو عجیب سا لگتا ہے، لیکن کہہ ہی دیتا ہوں کہ اگر مولانا عرفان مرحوم اس حادثہ میں شہید نہ ہوتے تو حضرت کی جدائی کے صدمہ میں چل بستے۔'' (ص۲۰۴)

گویا: جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

شکریہ جناب مولانا سید محمد زین العابدین صاحب کا، جنہوں نے حضرت شہید کے حالات کو مرتب فرما کر ہم جیسوں کیلئے روشنی کا سامان کیا۔

دیوانے گذر جائیں گے ہر منزلِ غم سے حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے فرمایا:

حضرت عبداللہ بن عمر نے بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی:

ان لوگوں نے شرک کے ساتھ مساجد کو بھی پلید کر دیا ہے۔ ان کے عقائد خراب ہیں ان کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ اس طرح کہ ابنِ عمرؓ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ حضرت مجاہدؒ تابعی تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ مؤذن نے اذان کے بعد کہنا شروع کیا او لوگو! جماعت کے ساتھ جلدی ملو...! حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اخرج بنا من هذا المبتدع مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چلو، اس بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی۔ اذان کے بعد بلند آواز سے صدا لگانا بدعت ہے۔ تو حضرت نے بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور تم لوگ مشرکوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے نہ توحید و سنت کو سمجھا ہے اور نہ شرک و بدعت کو سمجھا ہے۔ نمازیں برباد نہ کرنا، ان کے پیچھے قطعاً نماز نہیں ہوتی۔ (ذخیرہ ج۱۳ص۲۷۵)

کسی نہ کسی سے اصلاحی تعلق جوڑے رکھنا:

اور میری نصیحت کو یاد رکھنا...! بھولنا نہ...! کسی نہ کسی روحانی شخصیت کے ساتھ تعلق جوڑے رکھنا۔ جس شخص کا کسی روحانیت والے بزرگ کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا اور اور جس نے کسی بزرگ کے جوتے نہیں اٹھائے اور ان کے پاؤں نہیں پکڑے وہ ٹھوکریں کھاتا ہے اسلام کے سمجھنے میں۔ اس کو اسلام سمجھ نہیں آتا، چاہے کوئی بھی ہو۔ (ذخیرہ ج۱۳ص۱۰۷)

حمزہ احسانی

چندروز شہدا کے دیس میں

(......قسط نمبر۲......)

جیسا کہ پہلے بندہ عرض کر چکا ہے کہ کراچی کے اس قیام کا اصل مقصد تو حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے علمی وفکری جانشین، جامع المعقول والمنقول، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کی خدمت میں رہ کر ''دورۂ تفسیر'' کرنا تھا۔لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، نیز سیر وتفریح کی طالب علمانہ عادت پوری کرنے کے لیے چھٹی کے اوقات میں یا جمعرات جمعہ کو مختلف اکابر وعلماء کی خدمت میں حاضری نصیب ہوتی رہی اور کراچی کے مدارس واداروں کے دیکھنے کا موقع بھی ملتا رہا۔الحمدللہ

بزرگوں کی خدمت میں حاضری کے دوران اُن کے جو ارشادات یاد رکھ سکا، وہ اپنے پاس نقل کر لیے، پھر ارادہ ہوا کہ اپنے قارئین کو بھی اُن سے استفادے کا موقع دیا جائے، اور اس قیام کے دوران مختلف مقامات پر حاضری کے وقت بندہ کے جو تأثرات تھے، وہ بھی نقل کر دیئے جائیں، شاید کسی کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں۔آج کی محفل میں استاذ المحدثین، شیخ الشیوخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم کی ایک محفل کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے چند ملفوظات عرض کرتا ہوں۔

مؤرخہ ۳، جولائی/۲۳، شعبان بروز بدھ بعد نماز عصر حضرت الشیخ مدظلہم کی خدمت میں اپنے دو ساتھیوں مولانا محمد لقمان اور محمد ندیم انور سلمہ کے ہمراہ حاضری ہوئی، حضرت نے خصوصی شفقت کا معاملہ اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔اور بندہ سے موجودہ مصروفیت کا پوچھا تو بندہ نے عرض کیا: حضرت نعمانی صاحب کی خدمت میں دورۂ تفسیر کر رہا ہوں، فرمایا: آپ نے وفاق کے نصاب میں مکمل قرآن کا ترجمہ وتفسیر پڑھ لیا ہے، پھر اس دورۂ تفسیر کی کیا ضرورت ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ: مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا خصوصی طرز، تقسیم مضامین اور ربط، جن کے ساتھ قرآن پاک سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔دوسری بات جو عرض کرنا چاہتا تھا لیکن نہ کر سکا کہ: حضرت نعمانی صاحب کی فن تفسیر میں خاص مہارت اور وسیع تجربہ۔حضرت نے فرمایا: آپ نے بیان القرآن کا مطالعہ کیا ہے؟ عرض کیا: مکمل تو نہیں کیا، لیکن اس سال بندہ کے اساتذہ نے دار العلوم مدنیہ میں ''دراسات دینیہ'' والوں کے سال اول کا ترجمہ (درمیانی دس پارے) بندہ کے ذمہ لگایا تھا، اس دوران کہیں کہیں ''بیان القرآن'' سے بھی استفادے کا موقع ملا۔فرمایا: بیان القرآن سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو قوی الاستعداد ہو، مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اسمیں اصطلاحات کا بکثرت استعمال کیا ہے۔

مزید فرمایا کہ: آج کل مولوی تو بہت ہیں، ہر سال ہزاروں کی تعداد میں دورۂ حدیث کر کے مولوی بن رہے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ: علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ لیکن آج کل کے مولویوں میں انبیاء والی صفات نظر نہیں آتیں۔ بہت سے تو صرف روزی کی خاطر مدرسہ میں پڑھاتے ہیں کہ تنخواہ لیں اور اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالیں، اس کے علاوہ ان کا کوئی (کھینچ کر فرمایا) مقصد نہیں۔ آج کل غالب اکثریت ایسی ہی ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو علمی ترقی کے درپے ہوتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں، وسیع مطالعہ کرتے ہیں، خوب محنت سے پڑھاتے ہیں، لیکن امت کے لیے ہمدردی اور دَرد جو انبیاء میں تھا، کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ (یہ فرماتے ہوئے حضرت کے لہجہ میں عجیب درد بھر آیا، جو امت محمدیہ کی اصلاحِ احوال کے لیے آپ کی دلی تڑپ کو ظاہر کر رہا تھا۔)

آخر میں ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: محنت کرو! خوب استعداد بڑھاؤ! محنت سے پڑھاؤ، قابل آدمی کی قدر ہوتی ہے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ، کہ اپنے اکابر کے تابع رہے۔ اساتذہ کا ادب اور ان کی خدمت، اکابر کی پیروی اور اتباع لازم پکڑے۔ ہمارے ساتھ ایسے ایسے ذہین اور قابل طلباء تھے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اساتذہ سے بھی زیادہ قابل تھے، تو یہ بے جا نہ ہوگا، لیکن اکابر کی اتباع چھوڑ دی، تو برباد ہوگئے، آج ان کا نام ونشان تک نہیں۔

محفل کے اختتام پر رخصت ہوتے ہوئے بندہ نے استاذِ محترم حضرت نعمانی صاحب مدظلہم کی تفسیر ''تنویر الجنان'' پیش کی، جو حضرت نے قبول فرمائی اور دعا دی۔ بعد میں حضرت الشیخ نے اس کے بارے اپنے تأثرات کا بذریعہ مکتوب گرامی اظہار فرمایا، لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم کی تفسیر کا سرسری مطالعہ کیا ہے، حضرت بہلویؒ کا قرآنی اصطلاحات کا باب انتہائی مفصل اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے، مولانا نعمانی مدظلہ کی تفسیر کا انداز بھی باوجود اختصار کے بے حد مفید نظر آیا۔''

اللہ اکبر!!......کیا مقام ہوگا اس تفسیر اور صاحبِ تفسیر کا جس کی تعریف وقت کے شیخ الشیوخ اور استاذ المشائخ فرما رہے ہیں، اس لیے بندہ اپنے جملہ طلباء ساتھیوں سے زبانی بھی درخواست کرتا رہتا ہے اور اب تحریری طور پر بھی عرض گزار ہے کہ امسال سالانہ تعطیلات میں حضرت نعمانی صاحب کی خدمت میں حاضری دیکر ضرور استفادہ کریں۔

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کا سایہ تادیر صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ اپنے مکتوب میں حضرت الشیخ نے اپنے ایک دُکھ کا بھی اظہار فرمایا ہے، جو ان شاءاللہ اگلی قسط میں۔ (جاری ہے......)